جانشین خسرو و قیصر بنے
علم اور تہذیب کے رہبر بنے

تھی کسی کو بھی نہ کچھ پروائے جاں
تھا فدائی راہ حق کا ہر جواں

تھا خلوص دل سے ہر اک بہرہ ور
اسلیئے بھاری تھا اک اک لاکھ پر

جس سے پہلے سب کے سب اہل انام
جانتے تھے دردمندی کا نہ نام

اختلافِ نسل و مال و رنگ سے
نوع انساں میں پڑے تھے تفرقے

کہدیا اسلام میں یکساں ہیں سب
ہے وہی اچھا جسے ہو خوف رب

ہیں برابر تب سے آقا اور غلام
اہل غرب و شرق و زنگ و چین و شام

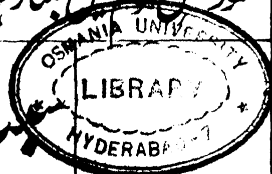
صدقہ اسکی آل کے اصحاب کے
اور صدقہ اپنے کل احباب کے

عفو کے دامن میں لے مجکو چھپا
حشر کی آفات سے یارب بچا

ایخدا! جبتک رہے اس دم میں دم
رکھ مجھے توحید پر ثابت قدم

دست عارف میں تری تائید سے
ملک کی خدمت کروں توفیق دے

سوز عشق قوم میں جلتا رہوں
بہتری میں قوم کی چلتا رہوں



سبب نظم کتاب

کان میرے آشنا بچپن سے تھے
مولوی کے شور سے اور سوز سے

مثنوی پڑھنے کا دل میں شوق تھا
جبکہ میں تحصیل سے فارغ ہوا

مثنوی مولوی معنوی
ایک مدت شوق سے میں نے پڑھی

لطف اُس میں اِس قدر حاصل ہُوا
زندگی کا آ گیا گویا مزا

دل مرا بے رنگ رنگوں سے ہُوا
سینہ خالی کل اُمنگوں سے ہُوا

صیقلِ کُل کا وہ دیا اُس نے سبق
اُٹھ گئے دل سے اندھیروں کے طبق

زنگِ ظلمات تعصّب دُور کر
لے کے پہنچی چشمۂ انصاف پر

نغز عرفاں ہے مگر یہ مثنوی
مغزِ قرآں ہے مگر یہ مثنوی

مثنوی کے وصف میں کیا لکھ سکوں
حیطۂ تحریر سے ہیں وہ فزوں

کیا کہوں میں مثنوی کے وصف میں
ہیچ ہوگا چاہے ہم کچھ بھی کہیں

عارفِ جامی نے جو تعریف کی
اِس سے بڑھکر ہو نہیں سکتی کبھی

"یہ کتاب اپنا نہیں رکھتی جواب
فارسی بولی میں ہے اُمّ الکتاب"

"گو مصنف اِس کا پیغمبر نہیں
پر صُحف سے مثنوی کمتر نہیں"

میرے دل میں آیا۔ اِس کی برکتیں
عام کردوں مَیں عوام الناس میں

چھانٹ لُوں اِسمیں سے وہ آسان مقام
بچّے بھی جن کو سمجھ لیں اور عوام

چھوڑ دوں وہ سب مضامین بلند
عقل کی پرواز بھی ہے جن میں بند

عالمان و فیلسوفانِ جہاں
دنگ ہیں سب مثلِ طفلِ بے زباں

صوفیان و عارفانِ باکمال
معترف ہیں عجز کے بے قیل و قال

اچھے اچھے اہلِ علم اہلِ شعور
دوڑتے ہیں پھر بھی رہجاتے ہیں دور

منتخب کرلوں میں اُن اقوال کو
جن سے منکر کوئی ہوسکتا نہ ہو

سوچتا یہ ایک مُدت تک رہا کیا کروں۔ آخر کو دل نے یہ کہا
دل میں کرتی ہیں جگہ۔ گر حکمتیں ہوں کہانی میں بیاں اور نظم میں
نظم کر دے جو حکایت ہو پسند یہ طریقہ ہی نہایت سود مند
حکمتِ شرقی و غربی کو مِلا فائدے اپنی طرف سے بھی بڑھا
یہ کہا میں نے یہ واضح ہے تجھے شاعری کا کچھ نہیں دعوےٰ مجھے
شعر موزوں کا سلیقہ بھی نہیں نظم بھی کیا کام آساں ہے کہیں
سُن کے بولا دل کہ گھبراتا ہے کیوں دیکھ تو کر کے۔ مُوا جاتا ہے کیوں
شکر کر خالق کا ہو احسانمند طبع خود موزوں ہے دل حکمت پسند
آنکھیں تُو نے دیکھی ہیں آزاد کی طرزِ نو کی نظم کے استاد کی
نثر جِس کی نظم سے موزوں تر نظم جس کی مفخرِ اہلِ ہُنر
جب ہُوا گُم مُلک سے ذوقِ سلیم نظم میں کی جس نے اصلاحِ عظیم
یہ بتایا لکھ کے نیرنگِ خیال اِس طرح لکھتے ہیں نثر اہلِ کمال
خضر سے محروم اسکندر رہا قوم کو آبِ حیات اُس نے دیا
عکس کھینچا اکبری دربار کا یہ دیا تاریخ دانوں کو دکھا
ہے مورخ کے لیے کیا کیا ضرور خوبیاں اگلوں میں یہ تھیں یہ قصور
اِس طرح تاریخ اور انشا بہم جمع کر سکتا ہے اِک جادو رقم
ہوں وقائع اُسمیں سب دلچسپ اگر اُن سے ہوں الفاظ دل آویز تر

اِسطرح تیار کر سکتا ہے شال — صوف گندہ جوڑ جوڑ اک باکمال
کم نصیبی ہے کہ وہ خورشید فن — ہے کسوفِ مانیا میں ممتحن
استواء پر شمسِ عقل آیا تھا — حیف اُسے ابرِ جنوں نے ڈھک لیا
میں سمجھتا ہوں تجھے جو فکر ہے — ذہن تیرا قافیہ میں بکر ہے
سچ ہے یہ آتے نہیں یہ قاعدے — جب تلک اصلاح نہ لو اُستاد سے
کچھ نہیں آتا کتابوں سے فقط — چُن کوئی اُستاد اے برخود غلط
جستجو ہے کیوں تجھے اُستاد کی — پاس ہے جب میرزا عبد الغنی
کون بہتر ارشدِ نقاد سے — جانتا ہے قافیہ کے قاعدے
نظم کر کے کچھ حکایات اے عزیز — اُسکو دکھلا نظم ہے جسکی کنیز
مستند ہی ہند میں جسکی زباں — نُقلِ محفل جسکی ہے طرزِ بیاں
نظم کے اور قافیہ کے قاعدے — وہ بتادے گا اُنہیں میں سب تجھے
فیضِ مولٰنا کی بھی پہنچے مدد — ہو قبولِ عام حاصل تا ابد
صدق دل سے باخشوع و باخضوع — لے کے نام اللہ کا کر دے شروع
ہو جو کام آغاز اُس کے نام پر — پہنچے گا بے شبہ وہ انجام پر

نظم کے شرائط

شرط ہے لیکن کہ آساں ہو کلام — ہو کہیں اغلاق کا نہیں نام

طرز ہو سادہ لغت بھی ہوں سلیس
ہو بیاں شستہ مضامیں ہوں نفیس

جسقدر ہو۔ ہو قلیل اور بادلیل
یعنی اتنا بھی نہ ہو ہرگز طویل

رشتۂ مطلب ہو گم اشعار میں
ڈھونڈتے ہی ربط مضموں کو پھریں

اور نہ ہو وہ مختصر بھی اسقدر
نفس مطلب کا ملے پاؤں نہ سر

ہو زباں وہ بولتے ہیں جسکو سب
جس سے ہوں مانوس سب کے گوش و لب

روزمرہ ہو۔ مگر ٹکسال کا
جس میں ہو انگشت رکھنے کی نہ جا

فارسی کی اسمیں ترکیبیں ہوں کم
ہو نہ تعقید۔ اور تشبیہیں ہوں کم

ہوں نہ اسمیں استعارات بعید
ہوں نہ الفاظ مرادف اور مزید

نظم کو پھیکی کہیں گے بے ہنر
جاہلوں کے طعن کی پروا نہ کر

لفظ ہوتے ہیں معانی کا لباس
ہے وہی اچھا جو ہو سادہ لباس

داغ اور حالی ہیں اس فن کے امام
ہیں سلامی انکے اہل فن تمام

کون اپنے سحر پر نازاں نہیں
پر کھلانا سانپ کا آساں نہیں

شوخئ طرز بیاں ان پر ہی ختم
سادہ کاری زباں ان پر ہی ختم

سعدی و خسرو کے ہمسر ہیں تو یہ
نظم اردو کے پیمبر ہیں تو یہ

طرز ان کی دیکھ لفاظی ہے کم
سادگی اکثر ہے نقاشی ہے کم

تکمیل کتاب

تیرہ سو سولہ (۱۳۱۶) کا تھا ماہِ صیام — جب ہوا یہ ماہ نو۔ ماہِ تمام

نام اس کا کیا رکھوں۔ دل سے کہا — فی البدیہہ یہ مرے دل نے کہا

گوہرِ حکمت دیئے تو نے پرو — **موتیوں کا ہار**۔ اس کا نام ہو

دل سے پوچھا میں نے پھر اے نیکخو — ہار یہ کس کے کروں زیبِ گلو

ہو نہ جب تک وہ کسی کے زیبِ بر — لطف وہ دیتا نہیں ہے اس قدر

دل لگا کہنے کہ تو نے سچ کہا — یاں مگر دیتا ہوں میں اتنا جتا

کہہ گئے ہیں یہ مسیح باکمال — آگے خنزیروں کے تو موتی نہ ڈال

ہار ڈال اُس کے کہ جو ہے مستحق — وہ۔ دیا جس نے تجھے پہلا سبق

ہے یہ سب تعلیم کا جس کی اثر — پرورش کا جس کی ہی یہ سب ثمر

وہ جنیدِ (عالم صوفی ۱۲) وقت شبلیٔ (صوفی ۱۲) زماں — اصمعی (ادیب ۱۲) ہند ارسطوے (حکیم ۱۲) جہاں

یعنی وہ اخِ مکرّم ذو مقام — ہی **علاء الدین احمد** جس کا نام

ممنون اُس کے ہیں احسان تجھ پر بے حساب — نام سے اُس کے مقدّس کر کتاب

حکایت (۱)

ایک دن کا ذکر ہے۔ موسیٰ نبی — گھر سے نکلے راہ اِک جنگل کی لی

راہ میں اُن کو گوالا اِک ملا — سر سے ننگا پا برہنہ تھا کھڑا

دست بستہ باہزاراں درد و تاب — کر رہا تھا اپنے رب سے یوں خطاب

ایک لحظہ اے خدا منہ اپنا کھول ۔۔۔ کر تمنّا میری پوری مُنہ سے بول
بیٹھ آکر میرے آگے کر کرم ۔۔۔ ہاتھ تیرے دھوؤں اور چُوموں قدم
تجھ کو نہلاؤں کروں تیرا سنگار ۔۔۔ لُوں بلائیں تیری چٹ چٹ بار بار
کمبل اک نیچے بچھاؤں نرم نرم ۔۔۔ دودھ بھی تجھکو پلاؤں گرم گرم
پاؤں میں تیرے دباؤں وقتِ خواب ۔۔۔ مُنہ دُھلاؤں صبح کو اُٹھ کر شتاب
قورمہ قلیا پلاؤ اور پنیر ۔۔۔ کوفتے مکھّن ملائی اور کھیر
جو مُیسّر ہے مجھے آگے رکھوں ۔۔۔ خود نوالے میں بنا کے مُنہ میں دُوں
جذبۂ ہستی میں وہ فرخندہ کام ۔۔۔ کر رہا تھا ایسے شوقیّہ کلام
سُن کے موسیٰؑ نے کہا اے میری جاں ۔۔۔ آج تو کس کا بنا ہے میزباں
جس کی خاطر تجھکو ہے اتنی عزیز ۔۔۔ مجکو بتلا کون ہے وہ باتمیز
بولا وہ رازق ہے میرا اور ترا ۔۔۔ سب کا مالک خالق ہر دوسرا
ہائے موسیٰؑ نے کہا اے ناصواب ۔۔۔ توبہ۔ توبہ کر۔ خدا؟ اور یہ خطاب؟
تیرا مُنہ۔ اور اُس سے یہ بے باکیاں ۔۔۔ ہیں ترے دل کی یہ سب ناپاکیاں
کان ہیں اُسکے نہ مُنہ اور ناک ہے ۔۔۔ کھانے پینے سے وہ بالکل پاک ہے
پاؤں دَبوانے کی حاجت کیا اُسے ۔۔۔ دودھ پینے کی ضرورت کیا اُسے
مثل اُسکے یاں نہیں ہے کوئی شئے ۔۔۔ تو نے یہ جو کچھ کہا سب خبط ہے
قاضی الحاجات اللہ الصّمد ۔۔۔ ہے ازل سے اور رہے گا تا ابد

اور سب اُسکے سوا محتاج ہیں
کل فنا ہونگے جو موجود آج ہیں

سب ہیں بندے اک وہی معبود ہے
سچ اگر پوچھو وہی موجود ہے

لائق انساں ہے جو تو نے کہا
جسم و حاجت کچھ نہیں رکھتا خدا

یوں گوالے نے کہا اے مردِ حق
ہے بجا تیری نصیحت اور سبق

تھی مری طاعت حقیقت میں خطا
کہہ کے یہ صحرا کی جانب چل پڑا

وحی آئی حضرتِ موسیٰ کے پاس
میرے بندے کو کیا تونے اداس

اسلیئے بھیجا ہے تجھکو اے حبیب
دور ہیں جو ہمسے اُنکو کر قریب

پاس والوں کو بھگانے تو لگا
خوب لایا فرض کو اپنے بجا

اِسکے لفظوں پر گیا تیرا خیال
تُو نے نیّت کا نہ کچھ رکھا خیال

ہمکو کچھ پروا نہیں ہے قال کی
ہے ہمارے پاس پرسش حال کی

دیکھتے ہیں دل کو ہم کہتا ہے کیا
لفظ ہوں شایستہ یا ہوں ناروا

شیخ ہو یا طفلِ نوآموز ہو
سوز سے مطلب ہمیں ہے سوز ہو

موسیا آداب دانی اور ہے
سوزِ دل دردِ نہانی اور ہے

نتیجہ

یاد رکھ یہ ہے حدیثِ معتبر
پُر معانی گو بظاہر مختصر

نیّتوں پر ہے عمل کا کل مدار
ہو عبادت یا کوئی ہو اور کار

حکایت (۲)

تھا کوئی صیاد بالکل تنگ حال — جا کے جنگل میں بچھایا اُسنے جال

پکڑی اِک چڑیا تو چڑیا نے کہا — کر مجھے بعد۔ اے ظالم رہا

مجھ ضعیف و ناتواں کے گوشت سے — پیٹ تیرا کیا بھرے گا چھوڑ دے

بھیڑ بکری تونے کھائے سینکڑوں — مرغ سیخوں پر چڑھائے سینکڑوں

سیر جب اُن سے نہ تو غافل ہوا — مجکو کھا کے سیر کیا ہوگا بھلا

چھوڑ دے گا گر مجھے میں تین پند — تجکو دونگی سب کی سب ہیں سودمند

ایک تیرے ہاتھ پر بتلاؤں گی — دوسری دیوار پر جب جاؤنگی

تیسری شاخِ شجر پر بیٹھ کے — قول ہونگے قیمتی اور سب کھرے

جب سنا صیاد نے اُس کا بیاں — تو بٹھا کر ہاتھ پر بولا کہ ہاں

کہہ۔ وہ کیا ہیں لعل گوہر بے بہا — تب وہ چڑیا یوں ہوئی نغمہ سرا

پند پہلی ہے مری اے دور بیں — ہو جو اَن ہونی نہ کر اُسکا یقیں

کہہ کے یہ۔ فوراً وہیں پرواز کی — بیٹھ کر دیوار پر۔ کہنے لگی

ہو چکی جو بات اُس کا کر نہ ذکر — غم نہ کر اُس کا نہ رکھ کچھ دلمیں فکر

پھر شرارت سے کہا کھا کر قسم — ایک موتی تول میں بارہ درم

پیٹ میں میرے تھا پنہاں دیر سے — کافی تھا تیری تو پشتوں کے لیے

شئے جو قسمت میں نہ ہو آتی نہیں
ہو نصیبہ میں اگر جاتی نہیں

سن کے یہ صیاد پچھتایا بہت
دل ہی دل میں خونِ دل کھایا بہت

ہائے کہتا تھا مری کیا عقل ہے
جو گنوائی مفت یوں ان مول شئے

مجھ پہ اس چڑیا نے کیا جادو کیا
ہائے اس کمبخت نے دھوکا دیا

بولی چڑیا پند کو میری نہ بھول
ہو چکا جو اس کا غم کرنا فضول

دوسری تھی پند میری یا نہیں
ہو جو ناممکن نہ کر اس کا یقیں

اتنی بھاری شئے بتائے بو العجب
پیٹ میں میرے سما سکتی ہے کب

ہو کے شرمندہ کہا صیاد نے
سچ ہے بیشک تیسری اب پند دے

دم ہلائی اور لی اک جھرجھری
پھر سے چڑیا اڑ گئی کہتی ہوئی

دو کے اوپر کیا عمل تو نے کیا
تیسری کس منہ سے ہے اب پوچھتا

نتیجہ

دل میں احمق کے نہ ہوگا کچھ اثر
کر نہ ضائع تو نصیحت کے گہر

محنت اس پر کرنی نقشِ آب ہے
باد در مشت اور سیرِ خواب ہے

ہے چراغِ راہ نابینا یہ پند
کر نہ کوشش وہ نہ ہوگی سودمند

حکایت (۳)

ایک جنگل تھا کسی کہسار میں
گل کی تھی خاصیت اس کے خار میں

تھا بکثرت ہر طرح کا وہاں شکار — پھرتی تھیں ہرنوں کی ڈاریں بیشمار
بارہ سنگے نیل گائے گورخر — چرتے پھرتے تھے وہاں سب بے خطر
تھا درندے کا نہ وہاں نام و نشاں — رہتے تھے بیخوف باامن و اماں
بھولا بھٹکا آگیا وہاں ایک شیر — آئے اُس کو ہوئی تھی تھوڑی سی دیر
ہی چرندوں کی مسلّم بزدلی — پڑ گئی فوراً ہی اُن میں کھلبلی
خوف سے مل کر گئے سب شیر پاس — دست بستہ عرض کی ای حق شناس
تو ہمارا بادشہ ہم ہیں غلام — تیری خدمت میں کمر بستہ تمام
ہے مناسب شاہ کو وہ ایک جا — بیٹھ کر دے حکم ہم لائیں بجا
کیوں مصیبت اس قدر سہتے ہیں آپ — صید کی تکلیف کیوں کرتے ہیں آپ
خوانِ شاہی کے لیے صبح و مسا — بھیجدیں گے ہم مقرر ناشتا
شیر بولا مجھکو یہ منظور ہے — پر نباہو اس کو۔ تم سے دور ہے
یک زباں ہو کر کہا اے دادگر — کر توکل قسمتِ رزاق پر
شیر نے سُنکر یہ طنزیہ خطاب — یہ دیا اُن کو جواب باصواب
کوئی شئے بہتر توکل سے نہیں — اپنے رب پر ہے مجھے کامل یقیں
پر نہیں ہرگز توکل اس کا نام — دست و پا سے کچھ نہ لیں ہم اپنے کام
ہی کفیل ارزاق کا بے شبہ رب — سنتِ احمدؐ ہے پر فکرِ سبب
عالمِ اسباب ہی دنیا تمام — بے سبب روزی کہاں ای مردِ خام

گھر میں دروازے سے آنا چاہیئے — بام پر زینے سے جانا چاہیئے
الغرض اُنسے ہُوا عہد استوار — شیر کے پاس آئیگا اُسکا شکار
قرعہ ہر دن ڈالتے تھے وہ تمام — قرعہ کے اندر نکلتا جس کا نام
شیر کے کھانے پہ جاتا تھا وہی — جو گیا۔ واپس نہ آتا تھا کبھی
شیر بھی کرتا نہ تھا افزوں ہوس — تھا رضامند اتنے ہی حصہ پہ بس
آئی باری ایک دن خرگوش کی — اُس نے جانے میں بہت سی دیر کی
تب چرندوں نے کہا ایسا نہ کر — عہد کو ہرگز نہ توڑ اے بے خبر
یوں کہا خرگوش نے ہوکے خفا — شیر کو آخر سمجھتا ہوں میں کیا
یوں وہ بولے لاف تو اتنی نہ مار — عقل پر اپنی نہ کر کچھ اعتبار
اُسکے آگے فیل کا زہرہ ہے آب — تو ہے کیا۔ کیا اصل تیری کیا ہے تاب
مُنہ تو چھوٹا بات ہے کتنی بڑی — ان بڑے بولوں پہ آتی ہے ہنسی
دلمیں ہے تیرے جو کچھ تدبیر کار — ہمسے کرتا کیوں نہیں ہے آشکار
قول پیغمبر یہ ہے تو کار بند — بھائیوں سے لے صلاح اے عقلمند
یوں کہا اُسنے کہ گھبراؤ نہ تم — شیر کے ڈر سے مرے جاؤ نہ تم
فیل و پشہ کی کہانی دوستو — دلمیں اپنے یاد کر لو چُپ رہو
بعد تھوڑی دیر کے میں جاؤں گا — خاک میں اُسکو ملا کر آؤں گا
بھید کے اظہار میں ہیں سو ضرر — کان ہیں دیوار کے بھی خوف کر

لب تلک آجائے جسکے دل کا بھید
زندگی کی وہ نہ رکھے پھر اُمید

الغرض کرتا تھا یاں خرگوش دیر
آگ ہوتا تھا وہاں غصہ سے شیر

دلمیں کہتا تھا یہ سب ہیں نابکار
اِن کے قول و فعل پر کیا اعتبار

طیش کے مارے وہ شیرِ خشمگیں
کاٹتا تھا اپنے دانتوں سے زمیں

سانس تھا پھولا ہُوا مُنہ میں تھے کف
مارتا تھا دُم کو ظالم ہر طرف

شیر تو اِس غیظ کی حالت میں تھا
اتنے میں خرگوش آیا دوڑتا

ہکّا بکّا اور گھبرایا ہُوا
شیر نے پوچھا بتا تو کیا ہُوا

عرض کی اے بادشاہِ خوش سیر
تجھپہ ہوں قربان ہم سب جانور

خوانِ شاہی کے لیے دستور پر
ہم میں سے آئے تھے دو خرگوش نر

شیر اک بیٹھا ہوا رستے میں تھا
میرے ساتھی کو اُچک اُس نے لیا

دیکھ کر میں یہ جھٹک فوراً گیا
اُس سے بچنے کا بہت چارہ کیا

آخرش لی میں نے اک راہِ طویل
حاضری میں تا کہ ہو مجھسے نہ ڈھیل

شیر یہ سُنکر ہُوا غصہ سے لال
ہوگئے سیدھے کھڑے گردن کے بال

پوچھا اُسنے ہے کہاں وہ نابکار
جس نے چھینا راہ میں میرا شکار

مجھپہ ہے اُس وقت تک کھانا حرام
محو کردوں جب تلک اُس کا نہ نام

ہولیا خرگوش آگے شیر کے
لے گیا اک چاہ کی جانب اُسے

مُن پہ چڑھکے اور کنوئیں میں جھانک کے
یک بیک پیچھے ہٹا وہ خوف سے

شیر نے پوچھا کہ پیچھے کیوں ہٹا	خوف ہے کس کا تجھے سچ تو بتا
تھرتھرا کر یہ کہا خرگوش نے	ڈر سے نکلی جاں بغل میں مجکو لے
لے کے اپنی گود میں خرگوش کو	جھانکنے چہ میں لگا وہ غصہ ہو
عکس اپنا اور اِس خرگوش کا	دیکھ کر پانی میں برہم ہو گیا
یہ کہا خرگوش سے خاموش ہو	موذی بیٹھا ہے لیے خرگوش کو
دیکھ ابھی اسکو چکھاتا ہوں مزا	اس کی گستاخی کی دیتا ہوں سزا
الوداع کہہ کر حواس و ہوش کو	گود سے کرکے جدا خرگوش کو
کودا اندر چہ کے وہ بیخوف و باک	بے وقوفی سے ہوا اپنی ہلاک
کرکے یوں خرگوش دشمن کو خراب	اپنی کوشش میں ہوا جب کامیاب
کرکے دشمن کو تلف یوں چل دیا	مژدہ لیکر قوم کی جانب چلا
داد اُس کی عقل کی دی قوم نے	آفریں کی اُس پہ ساری قوم نے
تاج شاہی اُسکے سر پر رکھدیا	سب نے آکے پاؤں پر سر رکھدیا
یہ کہا خرگوش نے کرکے سلام	میں ہوں خادم بن نہیں سکتا امام
سب خدا کا فضل اور تائید تھی	کیا حقیقت ورنہ مجھ ناچیز کی

نتیجہ

کام اچھا گر کوئی تجھ سے بنے	مت سمجھ تو اُس کو اپنی عقل سے
فضلِ رب کو جان رہبر عقل کا	عقل اُس کا فضل ہے سب سے بڑا

حکایت (۴)

ایک طوطا تھا کسی عطّار پاس ۔ خوش نما و خوش ادا مردم شناس
سامنے تھا قصہ خوانِ خوش بیاں ۔ اور غیبت میں نگہبانِ دُکاں
بولتا تھا وہ قفس میں اِس طرح ۔ آدمی کرتا ہو باتیں جِس طرح
ایک دن مالک گیا تھا اپنے گھر ۔ پاسباں طوطا رہا دُکّان پر
ایک بلّی آگئی دوکان میں ۔ ہُو بہو شیرِ ببر تھی شان میں
کردیا آغاز چوہوں کا شکار ۔ کردیئے ڈھیر اُس نے چوہے مار مار
دیکھکر بلّی کو طوطا ڈر گیا ۔ پہلے ڈر سے سہما گویا مر گیا
ہوش میں آیا تو ہوکر جاں بلب ۔ توڑ ڈالیں تیلیاں پنجرے کی سب
کرکے ہمّت جست کی جو ایک بار ۔ لے کے پنجرہ اُڑ چلا وہ جان ہار
چند شیشے روغنِ بادام کے ۔ تھے قفس کے پاس ہی رکھے ہوئے
ٹھیس لگ کر گر پڑے شیشے تمام ۔ ضرب کا کیا شیشۂ نازک پہ کام
ایک شیشہ بھی نہ وہاں ثابت رہا ۔ روغن بادام کا دریا بہا
گھر سے آقا آکے بیٹھا فرش پر ۔ فرش سب روغن سے پایا تر بتر
جوں ہی شیشوں پر پڑی اُسکی نظر ۔ ریزہ ریزہ اُن کو پایا سر بسر
پھر قفس کو دیکھکر اُلٹا ہوا ۔ دل میں حیراں رہ گیا یہ کیا ہوا

فکر کی تو یہ ہوا اُس پر عیاں ہیں یہ سب طوطے کی کارستانیاں
رنج و غصے سے پٹک پنجرہ دیا مار کر طوطے کا گنجا سر کیا
شرم سے یا رنج سے یا کس طرح جاننے والے سمجھ لیں جس طرح
گنگ خوش تقریر طوطا بن گیا طوطئے تصویر طوطا بن گیا
یک بیک شیریں زبانی گم ہوئی یک بیک شکر فشانی گم ہوئی
ایک عرصے تک جو یہ عالم رہا کچھ نہ مُنہ سے اپنے طوطے نے کہا
مالک اِس طوطے کا پچتایا بہت اُس کی باتوں کا خیال آیا بہت
میٹھی میٹھی اُس کی باتیں یاد کر نوچتا تھا موئے ریش و موئے سر
دل میں کہتا تھا یہ میں نے کیا کیا بولتی مورت کو چُپ کیوں کر دیا
مارتے اِس کو نہ ٹوٹے میرے ہات اے خدا پھر بھی سُنوں اِس مُنہ سے بات
کہتا پیسے دے کے ہر درویش کو کچھ دعا حق میں مرے سائیں کرو
بول اُٹھے تاکہ یہ شیریں زباں بول اُٹھے تاکہ یہ جادو بیاں
ہر طرح طوطے کا بہلاتا تھا دل فعل پر اپنے بہت تھا منفعل
طرفہ دکھلاتا تھا تصویریں اُسے تا کسی صورت سے طوطا بول اُٹھے
مُنہ سے طوطا کچھ نہ بولا تین دن مُنہ نہ اُس نے اپنا کھولا تین دن
ایک دن کا ماجرا ہے یہ عجیب کھل گئے طوطے کے شیدا کے نصیب
واں سے گزرا ایک گنجا بانوا جس کے سر کا تھا چمکتا تامڑا

نعرۂ "حق" مار کر اُس نے کہا — "گر بھلا چاہے اگر اپنا بھلا"
شکل و صورت تھی عجب اُس مرد کی — بے تحاشا آئی طوطے کو ہنسی
ضبط قہقہہ کو نہ ہرگز کر سکا — نیم اُسکو توڑنا اپنا پڑا
ہنس کے اُسکے ساتھ کی یہ گفتگو — کر یہ عقدہ مجھپہ ظاہر موبمو
کس طرح گنجوں میں تو داخل ہُوا — کس طرح اس بزم میں شامل ہوا
شرم کی یہ جا نہیں سچ سچ بتا — سائیں! روغن تو نہیں تجھ سے گرا
تو نے بھی شیشے کسی عطار کے — توڑ کیا ڈالے تھے ٹھوکر مار کے؟
مار کیا کھائی تھی تو نے بھی کہیں؟ — نام کو جو بال چندیا پر نہیں

نتیجہ

کر نہ اپنے پر بزرگوں کا قیاس — اپنی حیثیت سمجھ اے ناشناس
لکھنے میں یکساں ہیں گرچہ شیر و شِیر — ہے مگر ان دونوں میں فرق کثیر
ایک تو انسان کی خوراک ہے — ایک کی انسان بھی خوراک ہے
ہوبہو نرسل ہے مثلِ نیشکر — ہے کہاں نرسل میں شیرینی مگر
چکھ کے اُسکو پھینک کیوں دیتے ہیں سب — چاٹتے ہیں نیشکر کے بعد لب

حکایت (۵)

پاس دریا کے مگر کچھ فرق سے — تھے پرانے چند پانی کے گڑھے

ایک دن صیّاد آئے کچھ وہاں | اِک گڑھے میں تین دیکھیں مچھلیاں
خوش ادا خوش رنگ اُن کو دیکھ کر | مُنہ میں صیّادوں کے پانی آیا بھر
یوں لگے کہنے کہ کل آئیں گے ہم | جال اِک مضبوط سا لائیں گے ہم
ضائع گو ہو جائے کل کا دن تمام | پر یہاں مچھلی کا چھوڑیں گے نہ نام
مچھلیوں میں ایک مچھلی تھی ذکی | دوسری تھی نیم عاقل فطرتی
تیسری تھی احمق اور بر خود غلط | جانتی تھی عاقل اپنے کو فقط
یہ کیا عاقل نے اُن سے مشورہ | تم نے صیّادوں کا کچھ کہنا سُنا؟
ہے مری تجویز ہم سب رات بھر ق | کر کے ہمت گرتے پڑتے جلد تر
یاں سے دریا کی طرف جائیں نکل | ورنہ یہ جانو کہ آپہنچی اجل
نیم عاقل نے کہا سب سُن لیا | آپ نے ارشاد اب جو کچھ کیا
پر مرے پیارے نبیؐ کا ہے سخن | جزو ہے ایمان کا حبُّ الوطن
میں نہ جاؤں گی وطن کو چھوڑ کر | جاں کو بھی ہو اگر میری خطر
سُن کے عاقل نے کہا بس کہہ چکی | مجھ کو بھی معلوم ہے قولِ نبیؐ
ہے غلط فہمی یہ تیری اے بہن | عارضی پانی کو تو سمجھی وطن
پھر کہا احمق نے میں ایسی نہیں | لے پکڑ صیّاد جو مجھکو کہیں
اتنے پانی میں نہ میں آؤں گی ہات | جانتی ہوں خوب صیّادوں کے گھات
چھوڑ ان دونوں کو عاقل چل پڑی | بے خطر دریا میں جا کے صبح کی

چل پڑی دریا کی جانب یہ کہا | لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
فرض ہے انسان کا کوشش فقط | کوشش اور نصرِ خدا ہیں مرتبط
جو کوئی کرتا ہے اپنی خود مدد | اُس کی کرتا ہے خدا بھی خود مدد
نیم عاقل نے بھی یہ تدبیر کی | دم لیا گھونٹ اور مردہ بن گئی
اُس کو مردہ جان کر صیّاد نے | پھینکا دریا کی طرف ناشاد نے
جست کرکے اُس جگہ سے ایک بار | پہنچی دریا میں ہنسی بے اختیار
تیسری احمق پھنسی جب جال میں | دیکھکر اپنے تئیں اُس حال میں
اپنی خود رائی سے پچتائی بہت | اپنی نادانی سے شرمائی بہت

تشریح

مقصد اس عاقل سے ہے وہ متّقی | جو جیا بے عیب ساری زندگی
اور ہمیشہ جس نے کرکے اتقا | نفس کے شیطاں کو قابو میں رکھا
نیم عاقل سے غرض ہو وہ جواں | عمرِ اوّل جس نے کھوئی رائگاں
ہوش میں وہ آگیا پر وقت پر | عاقبت کو کچھ نہ پہنچایا ضرر
ہے مراد احمق سے یاں وہ بے حیا | غرقِ عصیاں جو بڑھاپے تک رہا

فائدہ

حُبُّ الوطن من الایمانؐ

ہے وطن سے کب پیمبرؐ کی مراد | یہ سرائے فانی و جائے فساد

جسم میں جو بند ہے روح کہن
اپنے گھر جائے گا قیدی چھوٹ کر

گر پڑیں گے جسم کے دیوار و در
جنت الفردوس ہے اُسکا وطن

ہے نشانِ مومنانِ پاک دیں
جانتے دنیا کو ہیں دارُالمحن

رہتی ہے ہر دم اُنھیں یادِ وطن
بھولتے اصلی وطن کو وہ نہیں

حکایت (۶)

خادموں سے یہ سلیماں نے کہا
جاکے میداں میں کرو خیمہ کھڑا

بعد اُس کے یہ ہوا حکمِ حضور
حاضرِ دربار ہوں سارے طیور

ہر پرندہ اُس میں ہو جو باکمال
وہ بتائے رکھے پرسچ کا خیال

حکم کی تھی دیر طائر سب کے سب
ہو گئے حاضر بصد عجز و ادب

قمری اور دراج طوطے اور مور
مینا اور سرخاب ہریل اور چکور

شکرہ جرّہ اور شاہیں اور باز
چڑیا اور کوئل کبوتر اور قاز

لال اور پدڑی شترمرغ اور لوا
کبک جھانپل اور کرگس اور بیا

فاختہ اور بلبلِ شیریں سخن
ہدہد و عنقا ہما زاغ و زغن

لق لق اور مچھر ٹٹیری اور عقاب
بوم ابابیل اور چنڈ آئے شتاب

کوئی دلدل کوئی ریگستان سے
کوئی جنگل اور کوئی میدان سے

شہر سے کوئی۔ کوئی کُہسار سے
کوئی دریا سے کوئی گلزار سے

الغرض ہر سمت سے آتے گئے
واقعی یہ تھا سُلیماں ہیں کمال
جانتے تھے ہر پرندے کی زباں
ہمزبانی بھی ہے اک الفت کا دام
لاکھ مل بیٹھیں زباں کے اجنبی
ہمزبانی سے بہم کھنچتے ہیں دِل
ہو زبانوں کا تخالف گر بہم
مختلف الفاظ خالی صورتیں
اتفاقاً وہ اگر بیٹھیں بھی پاس
آکے اک اک پیش شاہِ خوشخصال
نوبتِ ہدہد جو آئی یوں کہا
اِک ہنر ہے مجھ میں جو کمیاب ہے
وہ ہنر یہ ہے. کہ اے شاہ جہاں
وہاں سے گر ڈالوں زمیں پر مَیں نظر
ہو اگر آبِ رواں زیرِ زمیں
یہ بتا دوں ہے کہاں، کیا رنگ ہے!
مجکو رکھیے اپنی خدمت میں مدام

بار اُس دربار میں پاتے گئے
جانتے تھے طائروں کی بول چال
اِس لیے ہر جانور تھا شادماں
دو دلوں کو جو بناتی ہے غلام
دوستی اُن میں نہیں ہوتی کبھی
با وجودِ تفرقہ جاتے ہیں مِل
دل کو کچھ ہوتی ہے نفرت بیش و کم
ایسی ہیں پتھر کی جیسی مورتیں
پھر بھی آپس میں رہیں گی ناشناس
عرض کرتا جاتا تھا اپنے کمال
عرض میری غور سے سنیئے شہا
جس کے آگے ہر ہنر بے آب ہے
اُڑکے جاؤں گر بسوئے آسماں
ذرہ ذرہ دیکھتا ہوں سربسر
تلخ شیریں جان جاتا ہوں وہیں
منبع اُس کا خاک ہے یا سنگ ہے!
دیکھیے پھر کس قدر آتا ہوں کام

جب سنا کوّے نے ہدہد کا کلام / کوئلہ جل کر ہوا وہ مشک فام
آگے بڑھ کر کی یہ اس نے التجا / یا نبیؑ مجھ کو اجازت ہو ذرا
یہ جو کچھ ہدہد نے کی لاف و گزاف / میں دلائل سے اڑا دیتا ہوں صاف
واقعی یہ دوربیں ہوتا اگر / کیوں نہ آتا اسکو پھر پھندا نظر
کیوں یہ پھنستا جال میں صیاد کے / رونے روتا کیوں یہ پھر بیداد کے
کیوں قفس میں بند ہوتا اسطرح / اور ہوتے ہیں پرندے جس طرح
جھوٹ بولا یہ جواب سرکار میں / لائق تعزیر ہے دربار میں
زاغ کا یہ اعتراض بادلیل / مان سب فوراً گئے بے قال و قیل
کی ملامت سب نے ہدہد کو وہیں / کیا ہوا کیا شرم تجھ میں کچھ نہیں
سچ ہے ای ہدہد یہ کوّے کا کلام / بولا تو نے جھوٹ بیشک لاکلام
ہی بہت آداب شاہی کے خلاف / بادشہ کے سامنے لاف و گزاف!
سر کو ہدہد نے جھکا کر عرض کی / اے نبیؑ شاہنشہ جن و پری
قول دشمن کا نہ کیجے اعتبار / امتحاں بندے کا لیجے لاکھ بار
ان کی باتوں پر یقیں کیجے نہ آپ / تم پہ صدقے ہوں مرے ماں اور باپ
قول میرا جھوٹ ہو گر بال بھر / ہاں اڑا دیجے ابھی تن پر سے سر
اعتراض ان کا بظاہر ہے صحیح / پر نہ سوجھا ان کو یہ امر صریح
گر قضا اندھا کرے کس کی مجال / جو دکھائے مجھ کو پھندا اور جال

فائدہ

مسئلہ تقدیر اور تدبیر کا ہے بہت پیچیدہ اور الجھا ہوا
اک نئے اسلوب سے آساں ہے جو میں بتاتا ہوں ہمہ تن گوش ہو
رہتا ہے ناکام گر عاقل کبھی گو نہیں تدبیر میں کرتا کمی
یاد اُسکو یہ دلاتا ہے خدا اِک خدا ہے عقل سے تیری جدا
عقل کُل کہتے ہیں جسکو باکمال بہتری کا سب کے ہے جسکو خیال
وہ وہی کرتا ہے جس میں فائدا دیکھتا ہے اپنی اکثر خلق کا
بر خلاف اِسکے مری عقل اور تری اپنی اپنی سوچتی ہے بہتری
ہے جو تدبیر اُس خدائے عقل کی ہے وہی تقدیر اور قسمت وہی
اک طرف تو ہے خدا کا انتظام دوسری جانب تری تدبیر خام
کر ذرا فکر و تامل غور سے غالب آسکتی ہے وہ کس طور سے

تنبیہ (۱)

قول یہ سُن کر اگر تو یہ کہے بیٹھ جاؤں ہاتھ پاؤں توڑ کے
عقل کل کرتی ہے سب کا انتظام عقل سے میں کیا کرونگا لے کے کام
یہ تری ناشکری اے نادان ہے عقل کیا ہے؟ زیور انسان ہے
عقل ہے نورِ الٰہی کی شعاع ہے گنہ اُس سے نہ کرنا انتفاع
عقل ہے جتنی ہوئی تجکو عطا کر مطابق اُسکے کوشش بے خطا

سعی کرنا ہے فقط انساں کا کام   ہے خدا کے ہاتھ میں کرنا تمام

تنبیہ (۲)

آجکل جاہل ہیں ایسے بیشتر   زور جو دیتے ہیں بس تقدیر پر
کرتے ہیں تحقیر وہ تدبیر کی   کرتے ہیں تعلیم بالکل بے کسی
رائے میں اُن کی نہیں انساں مگر   پتھر اور حیوان سے مختار تر
رکھتے ہیں ناداں توکّل اسکا نام   کرتے ہیں توحید کو اُس پر تمام
ہے یہ سب تعلیم اُن کی پُر خطا   زہر سے بھی ہے اثر اُس کا بُرا
یہ رضا ہے اور نہ ہے تسلیم یہ   اور نہیں اسلام کی تعلیم یہ
یہ توکّل ہے نہ یہ توحید ہے   زندقہ اور کفر کی تائید ہے
منکرِ تقدیر گو اچھّا نہیں   ہے عقیدہ اُس کا بد فاسد یقیں
تا بمرگ انکار گر قائم رہا   مشرکوں کی مثل پائے گا سزا
منکرِ تدبیر ہے بد تر مگر   ہے عقیدہ اُس کا بد بد تر اثر
دونی ملتی ہے مگر اُس کو سزا   پائے گا اک تو سزا روزِ جزا
رہتا ہے دنیا میں بھی خستہ خراب   ہے اُسے ہر روز تکلیف اور عذاب
اس قدر تعلیم ہے یہ خوفناک   لاکھ کے گھر کو بنا دیتی ہے خاک
ہے یہ اس تعلیم کا ادنےٰ ثمر   توڑ ہی دیتی ہے ہمّت کی کمر
جاتی سب رہتی ہے غیرت قوم کی   آ کے گھس جاتی ہے اُسمیں مفلسی

آدمی بالطبع ہے کاہل جہول — جلد کر لیتا ہے یہ باتیں قبول

جہل چھا جاتا ہے ساری قوم پر — (ق) کاہلی ہوتی ہے غالب اس قدر

خود ہلا سکتے نہیں ہیں دست و پا — کرتے ہیں تقدیر کا ناحق گلا

اہل حرفت قوم میں رہتے نہیں — اہل صنعت قوم میں رہتے نہیں

چھوڑ جاتے ہیں اُسے علم و کمال — چھوڑ جاتے ہیں اُسے مال و منال

بڑھتے ہیں کثرت سے مدبر اور شقی — جڑ اُکھڑ جاتی ہے یوں تہذیب کی

آج جس جا ہے تمدن کی بہار — کل نظر آتے ہیں واں وحشت کے خار

شہر کے شہر آئیں گے ایسے نظر — شہروں میں ایسے محلے بیشتر

ہو گئی ہیں مسجدیں واں کی کھنڈر — مدرسوں میں بندھتے ہیں اب گاؤ و خر

خانقاہیں زہد کی خلوت سرا — بن گئی ہیں سیکڑوں بیت الخلا

جو کوئی ان مرشدوں کا دیگا ساتھ — دین اور دنیا سے دھو بیٹھے گا ہاتھ

رکھ نہ ایسے جاہلوں سے کچھ بھی کام — تجھکو ہے فاروقؓ سا کافی امام

اُمتِ احمدؐ میں کوئی دوسرا — آج تک اُس سا نہیں پیدا ہوا

دل میں جو رکھتے ہیں ضد اسلام سے — جلتے ہیں اب تک بھی اُسکے نام سے

کانپتے ہیں خوف سے اب تک عدو — ذکر جب ہوتا ہے اُن کے روبرو

وہ امام باہدیٰ اس امر میں
اس طرح تعلیم کرتا ہے ہمیں

حکایت (۷)

آئے یثرب میں یمن کے چند مرد	تھا توکّل میں ہر اک اُن میں سے فرد
سب گئے فاروقؓ کو کرنے سلام	آپ نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو کام
بولے وہ کرتے نہیں ہم کوئی کار	ہے توکّل پر یہاں توکّل مدار
سُن کے یہ فاروقؓ نے اُن سے کہا	یہ بھی کوئی کام ہے تعریف کا
مفت خورے کیوں نہیں کہتے کہ ہو	بوجھ اپنا ڈالتے اَوروں پہ ہو
جاں کھپاتا ہے کوئی کھاتے ہو تم	اور توکّل اِسکو بتلاتے ہو تم
میں بتاتا ہوں توکّل کیا ہے چیز	کون کرتا ہے توکّل اے عزیز
ہے توکّل اصل میں دہقان کا	ہے توکّل پیشہ وہ مردِ خدا
ڈال کر دانہ فقط امید پر	رب پہ رکھتا ہے نظر جو سال بھر
یا توکّل ہے تو اُس تاجر کا ہے　ق	جو خدا کو سونپ کر لاکھوں کی شَے
موجِ دریا پر ہے کشتی چھوڑتا	بیمِ طوفاں سے نہیں مُنہ موڑتا

فائدہ

ایک غافل کی کہیں فریاد پر	مصطفےٰ ﷺ نے کہہ دیا للکار کر
اونٹ کو اپنے نہ چھوڑا کر کھُلا	پاؤں باندھا کر توکّل بر خدا

نتیجہ

کار کر مت کر بھروسہ کام کا	کر بھروسہ قسمتِ قسّام کا

حکایت (۸)

اک سنار اپنی دوکاں پر وقت شام
دل لگا کے کر رہا تھا اپنا کام

آئی اک بڑھیا ضعیف و ناتواں
آکے بیٹھی اور کہا اے میری جاں

دے ترازو تولنا ہے مجھکو زر
میں ابھی دیتی ہوں واپس تول کر

یہ جواب اُس نے دیا کھا کر قسم
کام چھلنی سے بجھے پڑتا ہے کم

بولی بڑھیا مجھکو کانٹا چاہیئے
کچھ نہیں حاجت ہی چھلنی کی مجھے

پھر کہا زرگر نے اماں کر یقیں
جھاڑو میرے گھر ہی دوکاں میں نہیں

بولی بڑھیا بن ذرا تو آدمی
مجھ ضعیفہ سے نہیں اچھی ہنسی

ق
گر شرارت بس نہ مجھ سے اے شریر
ڈر خدا سے وہ تو ہے قادر قدیر

مجھکو اب کر دے توانا اور چست
اور بنا دے تجکو فرتوت اور سست

سنتا ہے اونچا اگر تو کان سے
تو لے یہ کہتی ہوں میں للکار کے

چھلنی اور جھاڑو ہیں دونوں میرے گھر
چاہیئے کانٹا مجھے۔ حجت نہ کر

بولا زرگر۔ کام اپنا چھوڑ کے
خوب میں واقف ہوں تیرے حال سے

ہیں طلا کے ریزے پڑیا میں تری
ہاتھ میں رعشہ ہے ذہمن ہے بڑی

گر پڑیں گے چند ریزے بھی ضرور
ہو گیا ہے کم تری آنکھوں کا نور

جھاڑو اور چھلنی کرے گی تو طلب
مجھ پہ آجائے گا ناحق کا غضب

کام اپنا چھوڑ کر جب جاؤں گا
تب کہیں سے ڈھونڈ کر وہ لاؤں گا

یہ کھیرا مجکو آتا ہے نظر
اس لیے بچتا ہوں مجھ پر رحم کر

میں نہ بہرہ ہوں نہ میں ہوں جھجتی
اور کسی سے بھی نہیں کرتا ہنسی

میں جو کہتا ہوں نہیں ذرّہ خلاف
جانیئے امّاں مجھے کیجے معاف

نتیجہ

کام سے پہلے ہے لازم سوچنا
یہ کہ ہے اِس کام کا انجام کیا

حکایت (۹)

ریچھ کو اک اژدہا منہ میں لیئے
جاتا تھا سُرعت سے جانب غار کے

شور تب اُس ریچھ نے ایسا کیا
وشت کو گویا اُٹھا سر پر لیا

بیکس و مظلوم کا شور و شغب
سُن کہیں پاتا ہے مردِ نیک جب

شکل میں وہ رحمتِ حق کی وہاں
جا پہنچتا ہے نہ ہو رستہ جہاں

رفع جب تک ظلم وہ ہوتا نہیں
چین سے وہ مردِ حق سوتا نہیں

ریچھ کے سمجھو کہ تھے اچھے نصیب
ایک تھا مردِ مسلماں وہاں قریب

آگیا رحم اُسکو اُس مظلوم پر
کی نہ کچھ اعمال پر اُس کے نظر

عقل سے ایسا کوئی حیلہ کیا
اژدہے سے ریچھ کو چھڑوا لیا

ریچھ نے احسان مانا اِس قدر
ہولیا ساتھ اُس کے جنگل چھوڑ کر

ناخن بریدہ بن گیا اُس کا غلام   رہتا تھا خدمت میں مثل سگ مدام
تھک کے سوجاتا جواں جب بے خبر   ریچھ پہرہ دیتا تھا شام و سحر
یہ کسی نے دیکھ کر اُس سے کہا   تیرا اور اِس ریچھ کا رشتہ ہے کیا
اُس جواں نے قصہ کُل کرکے بیاں   یہ کہا یہ ہے ہماری داستاں
درمیاں بس رشتۂ احسان ہے   ورنہ میں انسان یہ حیوان ہے
اُس نے سمجھایا کہ ہو کس ہوش میں   عقل بھی کچھ دی خدا نے ہے تمہیں
اِس بلا کو اپنے سر سے دفع کر   ہو جو ناجنس اُس سے لازم ہے حذر
نوجواں نے چونکہ تھا بدظن اشد   غصے ہو کر یہ کہا مت کر حسد
تیری نیت میں خلل ہے ناصحا   اِس میں کچھ مطلب ہے پوشیدہ ترا
ظاہرا مقصد یہ آتا ہے نظر   چاہتا ہے اِسکو تو لینا مگر
سُن کر اُس سے یہ جواب ناسزا   مَرد وہ۔ لاحول پڑھ کر چل دیا
ایک دن جنگل میں سوتا تھا جواں   ریچھ بیٹھا جھل رہا تھا مکھیاں
ایک مکھی تھی ہٹیلی ناسزا   ریچھ نے اُسکو ہٹایا بارہا
پر چلی جائے بھلا مقدور کیا   آتی پھر پھر کے وہیں تھی بے حیا
گاہے مُنہ سے دور کرتا تھا اُسے   اور کبھی پنجے سے کرتا تھا پرے
دق ہوا ریچھ اور ہوکے خشمگیں   اِک بڑا پتھر اُٹھا لایا لعیں
تاک کر مکھی پہ مارا سنگ جب   ق   تھی تمیز یار و دشمن اُسکو کب

ریزہ ریزہ اُس جواں کا سر ہُوا | اُس کے صدمہ سے نہ وہ جاں بر ہوا

نتیجہ

دوست ہوں نادان جسکے۔کر یقیں | دشمنوں کی اُسکو کچھ حاجت نہیں

حکایت (۱۰)

اگلے وقتوں میں کہیں تاجر تھا ایک | سادہ دل۔اور ظاہر اور باطن میں نیک
پاس اُسکے ایک طوطا تھا عجیب | تھیں ادائیں جسکی انساں کے قریب
خوش بیان وخوش مذاق وخوش لقا | تر زبان و تر دماغ و خوش نوا
شکل میں ایسا تھا خوش وہ بذلہ سنج | دیکھکر اُس کو نکھر رہتا نہ رنج
ہند میں تاجر گیا تھا ایک بار | مل گیا تھا اُسکو وہاں یہ غمگسار
پھر چلا جب جانبِ ہندوستاں | پوچھا ہر اِک دوست سے اے مہرباں
لاؤں تیرے واسطے سوغات کیا | جو تجھے درکار ہو۔وہ دے بتا
تھی ضرورت جس کسی شئے کی جسے | بے تکلف اُس نے لکھوا دی اُسے
پوچھا طوطے سے بھی اے شیریں بیاں | لاؤں تیرے واسطے کیا ارمغاں
عرض کی اُسنے فلاں دریا کے پار | اِک پہاڑی ہے نہایت پُر بہار
اُس زمیں پر ہوگا جب تیرا گزر | جُھنڈ اِک طوطوں کا آئے گا نظر
میری جانب سے اُنھیں کہنا سلام | اور دینا سب کو یہ میرا پیام

وہ فلاں طوطا تمہارا ہم نوا
جو تمہارے ساتھ رہتا تھا سدا

وہ ہمیشہ کا تمہارا ہمنشیں
حیف تم کو کچھ خبر اُس کی نہیں

آپ تم شاخوں پہ جھولو واہ وا
اور اُس بچھڑے کو بھولو واہ وا

آپ تو سبزے پہ لوٹو شاد شاد
اُس بدیسی کی نہ لاؤ دل میں یاد

باغ میں تم سب کا دل ہو باغ باغ
ہجر میں کم بخت وہ ہو داغ داغ

وہ وہاں پنجرے میں یوں تڑپا کرے
اِک قیامت آئے دن برپا کرے

کوئی ایسا چارہ بتلاؤ اُسے
جیتے جی پھر بھی وہ تم سے مل سکے

آقا اُس کا تھا نہ طبعاً کچھ شریر
بدگمانی کا نہ تھا اُس کا خمیر

تاڑتا ورنہ غرض عیّار کی
جان جاتا چال اُس مکّار کی

سمجھا وہ یہ شوق کا اظہار ہے
اس کو ہجراں کا فقط آزار ہے

الغرض وہ تاجرِ فرخندہ حال
ہند کے مشرق میں پہنچا لیکے مال

جس جگہ کا تھا دیا اُس کو نشاں
طوطے گنتی میں ہزاروں تھے وہاں

روک کر اُس جا پہ اسپِ تیز گام
اپنے طوطے کا دیا اُن کو پیام

سُن کے اُس کی بات اِک طوطا گرا
ہو کے بسمل ایک لحظہ میں مرا

دیکھا جو تاجر نے یہ۔ حیراں رہا
دل میں اپنے ہو کے شرمندہ کہا

اے زباں! تو نے کیا مجھ کو خجل
کاٹ ڈالوں تجھ کو یہ کہتا ہے دل

سنگ اور چقماق ہیں تجھ میں بہم
مخزنِ آتش ہے تو کانِ الم

آگ پانی میں لگا دیتی ہے تو
کام اُس پر تیل کا دیتی ہے تو

تیرے اے ظالم عجب نیرنگ ہیں
تیرے کرتوتوں سے سب ہی دنگ ہیں

رُستموں کو پل میں کر لیتی ہے زیر
اور روبہ کو بنا دیتی ہے شیر

تیرے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے جنگ
دل اقارب کے بناتی ہے تو سنگ

تیغ سے بھی کاٹ تیرا تیز ہے
اور اَنی سے طعن درد انگیز ہے

ہفتے میں آتا ہے بھر زخمِ سناں
پر کبھی بھرتا نہیں زخمِ زباں

کر کے تاجر وہ سفر اپنا تمام
واپس آیا اپنے گھر پر شاد کام

جس نے جو کچھ تحفہ تھا لکھوا دیا
اُس کو دے کر بوجھ سے ہلکا ہوا

بول اُٹھا طوطئ شیریں زباں
حضرتِ من تحفہ میرا ہے کہاں

منتظر کو اب بتا دیجے شتاب
بھائیوں نے کیا دیا اسکو جواب

میں ہوں خود شرمندہ تاجر نے کہا
کیوں ترا پیغام اُنہیں میں نے دیا

بات میری جبکہ طوطوں نے سُنی
تھرتھرا کر اک گرا اور جان دی

لیکن اب پچھتائے سے ہوتا ہی کیا
شِست سے جو تیر نکلا وہ گیا

سُن کے طوطا۔ ہائے کہہ کر گر پڑا
اور ٹھنڈا ہو گیا وہ برف سا

دیکھا آقا نے جو طوطے کا یہ حال
اُس کے مرنے سے ہوا غمگیں کمال

سر سے پگڑی پھینک کر رونے لگا
اُس کے ماتم میں کیا محشر بپا

اے مرے طوطے مرے ہمراز یار
کیوں مجھے چھوڑا جہاں میں خوار و زار

پاس میرے تھا جو تو اے خوش نوا
آپ کو میں تھا سلیماں جانتا

گر زباں ہلتی نہ دم بھر کے لیے
دیکھتا میں کیوں بھلا یہ دن بُرے

جب یقیں اُس کو ہوا یہ مر گیا
اور داغی دل کو اُس کے کر گیا

پھینکی اُسکی نعش پنجرے سے نکال
رنج و غم سے ہو گیا بالکل نڈھال

غم میں بیٹھا رو رہا تھا زار زار
گوہر تر تھے گلے کا اُس کے ہار

ناگہاں طوطے نے لی اک جھرجھری
شاخ پر جا بیٹھا دُم ہلنے لگی

اور کہا تاجر سے اے صاحب ذکا
موت کا طوطے کی سمجھا مدعا!

اُس نے مر کر یہ بتایا تھا مجھے
قید میں ڈالا تجھے اِس نطق نے

ہے اگر چھٹنا! زباں کو بند کر
کر عمل تو مصطفےؐ کے قول پر

یعنی وہ جس نے زباں کی اپنی بند
امن کے گنبد میں ہے وہ ہوشمند

کھایا دھوکہ تو نے اُس مکار سے
مر کے اُس نے یہ بتایا تھا مجھے

دور کر دے زندگی کے بار کو
کر بہانہ موت کا آزاد ہو

الوداع اے محسن والا نژاد
سب ترے احسان ہیں بندے کو یاد

کر سلام اب آخری میرا قبول
جانیو میری وفاؤں کو نہ بھول

یاد رکھنا یہ وصیّت اِک مری
ہے اگر درکار اپنی بہتری

ہر طرح کا تجربہ ہے گر فضلِ رب
ایک آزادی نہیں۔ ہے ہیچ سب

بھیج لعنت چین اور آرام پر
گر نہیں آزاد تو اور بے خطر

گو گلے میں ہو ترے زرین طوق		چھوڑ پر ہرگز نہ آزادی کا شوق
گرچہ ہو آقا ترا شاہِ شہاں	ق	باپ سے بھی ہو زیادہ مہرباں
ہی مگر داغِ غلامی پھر بھی عار		کرکے چارہ اِسکو دھولے شرمسار
اپنے رب العالمیں کا رہ غلام		زیبا آقائی کو ہے اُس کا ہی نام

تشریح

موت سے مطلب ہی اِس جا پر نیاز	ترک عیش و کسرِ نفس و ترکِ آز
خاک میں ملنے سے پہلے خاک ہو	منکسر مثلِ مسیحِ پاک ہو
زندہ پھر تجھکو کرے روح القدس	نور سے تجھکو بھرے روح القدس
کب اُگا سکتی ہی ساون کی جھڑی	پتھروں کی پشت پر کھیتی ہری
خاک کے تودے پر اُس کے فیض سے	غیرتِ فردوس پھولوں سے بنے
ایک عرصہ تو رہا غفلت سے سنگ	خاک بن کر دیکھ کیا آتا ہے رنگ

حکایت (۱۰)

تاڑتا پھرتا تھا اک دن باغباں	اُس کے پھل کا کون کرتا ہی زیاں
اتفاقاً پڑگئی اُس کی نظر	آدمی تھے تین کھاتے تھے ثمر
غور سے دیکھا تو پہچانا اُنھیں	اور کہا دل میں "سمجھتا ہوں تمھیں"
شہر کے قاضی کا اک فرزند تھا	سیّدوں کا دوسرا دلبند تھا

تھے وہاں پر ایک صوفی خوش یقیں
تیسرا تھا اُن کا سجادہ نشیں

سب کے سب تھے ہٹے کٹے بے حیا
باغباں تنہا تھا کر سکتا تھا کیا

یہ مثل سچ ہے کرو اس کا یقین
ایک کی دارو ہیں دو اور دو کی تین

فکر کی دل میں کہ حیلہ کیجئے
انتقام ان دشمنوں سے لیجئے

مرحبا کہہ کر کہا خوش آمدید
اور مجرے کو جھکا مانند بید

یوں کہا میرے نصیب ایسے کہاں
جو قدم آویں بزرگوں کے یہاں

صوفی زادے سے کہا با التجا
جا کے میرے گھر سے لے آ بوریا

یہاں بچھا کر فرش بیٹھو شوق سے
کھاؤ پھل اور پھول سونگھو ذوق سے

صُوفی زادہ سنتے ہی یہ چل دیا
دل میں تب ناداں بہت ہی خوش ہوا

اور دونوں سے کہا تم تو بھلا
بادشہ ہو ہے یہ صوفی کیا بلا

ہے تمھارا حق مسلمانوں پہ عام
تم ہو آقا ہم رعیت ہیں تمام

اصل کیا اس صوفیٔ بدذات کی
شاہزادوں کی کرے یہ ہمسری

ہے خدائے پاک کی مجھ کو قسم
تم اگر دونوں کرو مجھ پر کرم

باغ میں آؤ قدم رنجہ کرو
میری آنکھوں پر قدم اپنے دھرو

کھاؤ میوے دندناؤ باغ میں
کھیلو کودو اور گاؤ باغ میں

وہ گراں گزرے نہ مجھ پر ذرہ بھر
فخر سمجھوں خدمتِ شام و سحر

خوش ہوئے احمق یہ فقرے جب سنے
پھول کر کپّہ خوشامد سے بنے

باغباں تقدیر یاور دیکھکر | دیکھ کر تدبیر کو یوں کارگر
صوفی زادے کے گیا پیچھے جبھی | کُندی اُسکی خوب ہی ڈیرے میں کی
نیم مردہ مارکر اُس کو کیا | ساتھ ہی اُسکو یہ طعنہ بھی دیا
مال کھانا غیر کا یوں اے دنی | یہ تجھے تعلیم ہے کس شیخ کی
ہے عوارف یا کہ احیا میں پڑھا | یا رسالے میں قشیری کے لکھا
اُس کے نالائق جو دونوں یار تھے | روئی دے کر کان میں چُپ ہو رہے
ہو گئے مُنہ موڑ کر اُس سے کھڑے | صوفی زادے نے کہا آواز سے
پیش آنی ہے تمھارے بھی یہی | مجھ پہ ہے اِسدم گزر جو کچھ رہی
فارغ اُس سے ہو چکا جب باغباں | پاس اوروں کے گیا خندہ کناں
یہ کہا سیّد سے جا تو میرے گھر | واں سے لا تیار ہو کھانا اگر
دیر ہو گر کچھ۔ تقاضا کیجیو | آنا لیکر تم ٹکریاں خوان کو
جب اکیلا رہ گیا قاضی کا پُوت | باغباں پر چڑھ گیا غصے کا بھُوت
جو نہ کہنا تھا کہا وہ سخت سُست | خوب لاٹھی سے کیا اُسکو درست
اُس سے پوچھا کونسی ہے وہ کتاب | جس میں کھانا غیر کا پھل ہے صواب
مارکر کہتا تھا وہ یہ طنز سے | دے ہدآیہ سے جواب اور کنز سے
ہو کے فارغ جب گیا سوئے مکاں | راہ میں سیّد لیے آتا تھا خواں
اِس سے پوچھا میر صاحب ایک بات | پوچھتا ہوں آپ ہیں والا صفات

باپ دادا کیا تمھارے چور تھے؟ لوٹتے تھے خلق کو کیا زور سے؟

لاجرم فرماؤگے توبہ کرو اُن بزرگوں پر تو تہمت مت دھرو

یہ درست ہمیں نہیں جائے مقال اسکے پیچھے ہے مگر میرا سوال

کس سے پائی آپ نے میراث یہ جانتے ہیں جس کو بد ہر کہ و مہ

ہے روا کیا سیدوں کو یہ ستم مال کھائیں غیر کا بے خوف و غم

غابرہ مزبور بتلاتے ہیں یہ یا علوم صدر سکھلاتے ہیں یہ

خلق کہتی ہے تمھیں حاجت روا تم کو ہے ظلم و تعدی کب روا

لوٹ پر باندھی ہے کیوں تمنے کمر کیوں خدا سے ہو گئے ایسے نڈر

دل ہی دل میں کھا کے ازبس پیچ و تاب ہو گیا سید کا بیٹا لاجواب

کی رعایت اُس کی لیکن اس قدر باغ سے باہر کیا کان اینٹھ کر

نتیجہ نمبر۱

دوستوں کے حق میں دشمن کا سخن دوست گردر کار ہیں ہرگز نہ سن

نتیجہ نمبر۲

ہے یہ انگریزی کی اک ضرب المثل عاقل اسپر آئے ہیں کرتے عمل

دشمنوں کو زیر کرنا ہو اگر تفرقہ ڈال اُن میں اور مغلوب کر

حکایت (۱۲)

اک خلیفہ تھا کبھی بغداد میں — شہرۂ آفاق عقل و داد میں
دولت اور داد و دہش میں بے بدل — عزم اور شان و شکوہ میں بےمثل
تھے طریقے جود کے اُس کے نئے — فقر اور حاجت جہاں سے اُٹھ گئے
ابر رحمت اُس کو کہتے تھے تمام — اور نہ لیتا تھا کوئی حاتم کا نام
آرزو پاتے تھے اپنی شیخ و شاب — قبلۂ حاجات تھی اُس کی جناب
آب حیواں تھا وہ دریائے کرم — نو بنو تھے فیض جاری دمبدم
کیا عجم کیا ترک کیا روم و عرب — بہرہ ور بحر سخا سے سب کے سب
ایک اعرابی کی عورت نے کہا — اپنے شوہر سے کہ اے مرد خدا
آج ہے حالت ہماری سب سے پست — کون ہوگا ہم سے بڑھکر تنگدست
اسقدر غلبہ کیا ہے یاس نے — اسقدر گھیرا ہے افلاس نے
چیتھڑا اک نام کو تن پر نہیں — خاک بھی کھانے کو اپنے گھر نہیں
شکل ناں دیکھے ہمیں مدت ہوئی — اور ٹڈی کی بھی اب رت ہو چکی
چاند کی ٹکیا کو روٹی جان کر — ہاتھ پھیلاتے ہیں بچے بے خبر
خویش و بیگانے ہیں ہم سے بھاگتے — کیوں نہیں مقسوم اپنے جاگتے
ہم جئیں اس طور کب تک خوار و زار — یہ بھی جینا ہے کوئی اے غمگسار
جستجو میں رزق کی باہر نکل — اس مثل پر کر ذرا تو بھی عمل
چاہیئے گر رزق گھر سے کر سفر — بے سفر حاصل نہیں ہوتی ظفر

سن کے شوہر نے کہا اے جانِ من
رب کی قسمت میں نہ ہو یوں طعنہ زن

عمر کا حصہ بہت سا ہو چکا
رنج و راحت یوں ہی جاتا ہے چلا

نیک و بد دنیا میں تاریک و صفا
عارضی ہیں سب تو پھر کیسا گلا

رزق میں اور جاں میں ہے باہم کشش
ملتی ہے کیڑے کو پتھر میں خورش

درد ہو جس جا دوا جاتی ہے وہاں
بھوک ہو جس جا غذا آتی ہے وہاں

جس جگہ ہوگی کوئی مشکل اڑی
پہنچینگے مشکل کشا بھی واں کئی

فاختہ کہتی ہے "کوکو" ظاہرا
دل میں رکھتی ہے خدا پر آسرا

ہے توکّل اس کا رازق پر مدام
رزق پہنچاتا ہے اسکو صبح شام

حمد کرتی ہے خدا کی عندلیب
رزق دیتا ہے اسے ربّ مجیب

یوں ہی بس مچھر سے لیکر تا بہ پیل
ہیں عیال اُسکے وہ ہے نعم المعیل

شوہر و زن میں نہیں ہوتی دوئی
اصل میں ہوتے ہیں دونوں ایک ہی

میں جو سہتا ہوں مصیبت تو بھی سہہ
میں ہوں گر قانع تو قانع تو بھی رہ

(اب صفحہ ۴۱ کے شروع سے پڑھو)

ہوتی ہے ناشکر ہر عورت کی ذات ۔۔۔ مانی ہے شیطان نے بھی اس سے مات
ہوتی ہے احساں فراموشی میں طاق ۔۔۔ ماننا احسان کا ہے اس پہ شاق
برسوں کے احسان ہوں یا خدمتیں ۔۔۔ ضائع کر دیتی ہے تھوڑی دیر میں
جبکہ بکتی ہے زباں سے یہ فضول ۔۔۔ پھر نہیں بچتا خدا بھی اور رسولؐ
غصہ آیا سُن کے عورت کو کمال ۔۔۔ اور کہا مت بک۔ زباں اپنی سنبھال
یہ نشانِ سجدہ و ریشِ دراز ۔۔۔ جس پہ تو کرتا ہے اتنا فخر و ناز
مجھ پہ ہے اُنکی حقیقت سب عیاں ۔۔۔ مفت خوری اور حمق کے ہیں نشاں
ناخنوں میں ہیں مرے باتیں تری ۔۔۔ مجھ کو ہیں معلوم سب گھاتیں تری
بس نہ کھلوا مُنہ مرا خاموش رہ ۔۔۔ ہوں تری رگ رگ سے واقف کچھ نہ کہہ
اِس تقدس پر تجھے دیتا ہے زیب ۔۔۔ نامِ حق لے کر مجھے دے تو فریب
تیرا مجھ سے میرا تجھ سے حال۔ کب ۔۔۔ مخفی رہ سکتا ہے۔ سُن لے مجھسے اب
جس کا رکھا ہے توکل تو نے نام ۔۔۔ سُستی اور کم ہمتی ہے یہ تمام
مرد نے عورت سے جب ایسا سُنا ۔۔۔ سر کو اُس کی بدزبانی پر دُھنا
یہ کہا للکار کے اے بدزباں ۔۔۔ ہو کے عورت تجھ میں یہ بیباکیاں
اِک زباں میں تو نے کیا کیا کچھ کہا ۔۔۔ دیکھ میرا صبر میں سُنتا رہا
راستی سے پھر یہ کہتا ہوں تجھے ۔۔۔ فقر تھا فخرِ نبیؐ طعنہ نہ دے
سُست و جاہل جو مجھے تو نے کہا ۔۔۔ سچ کہا۔ اِس میں نہیں تیری خطا

ہے مثالِ آئینہ مومن کا رُو
دیکھتی ہے مجھ میں اپنا عکس تو

کون سی آفت نہیں تو نے سہی
فقر سے اب تک بھی ناواقف رہی

فقر میں ہے جو مزا اُس کا نشاں
گمرہی سے تجھ پہ ہے اب تک عیاں

فقر میں دیتا ہے عزّت ذوالجلال
صبر کر اور کچھ نہ کر دل میں خیال

مانگتی ہے مجھ سے تو جب خود پناہ
اب نظر آتا نہیں مجھکو نباہ

صبر کرنے کی نہیں گر تجھ میں خو
تو تجھے میرا سلام اے جنگجو

الفراق والفراق والفراق
گو کہ گزرے گی جدائی تیری شاق

دیکھا جب خاوند کو یوں پُر غضب
تھرتھرا اُٹھا بدن بیوی کا سب

رونا اُس نے پھر کیا فوراً شروع
بن گئی دم بھر میں کیسی باخشوع

رونا تو عورت کا وہ ہتھیار ہے
جس کے آگے تیغ بھی بے کار ہے

وہ لگی کہنے نہایت ناز سے
ڈال کر باہیں گلے میں مرد کے

تھی مجھے تم سے نہ ہرگز یہ امید
تم سے ہی واللہ مجھے اُلفت شدید

باتوں باتوں میں ہوئے ایسے خفا
بس جی بس دیکھی تمہاری بھی وفا

اپنی سی پر جب کبھی آتے ہو تم
یوں ہی باتوں میں بگڑ جاتے ہو تم

میرے ماں باپ اور تن من اور دھن
تم پہ سب قربان ہیں اے جان من

حکم تیرا اور میں محکوم ہوں
تو ہے سب کچھ اور میں معدوم ہوں

تیری مرضی پر چلوں گی میں سدا
جس طرح تو چاہے کر تیری رضا

آ گئی تھی تنگدستی سے بہ تنگ — ہے مثل مشہور "تنگ آمد بجنگ"
تھی شکایت پر نہ کچھ اپنے لیے — بول اُٹھی تھی محض تیرے واسطے
تجھ کو ننگا دیکھکر کڑھتا ہے جی — ہے نہ کچھ پرواہ اپنے نفس کی
ننھے ننھے پھول سے بچے ترے — ایڑیاں جب ہیں رگڑتے بھوک سے
ہاتھ میں اوروں کے روٹی دیکھکر — جب یہ روتے ہیں تو جلتا ہے جگر
عہد میں نے آج سے لیکن کیا — میں نہ لاؤں گی زباں پر بھی گلا "گلہ"
کھا قسم تو بھی۔ کہ تو روئے مجھے — نام آیندہ جدائی کا جو لے
میری تو سچ مچ یہی ہے آرزو — پوری کردے وہ تعالےٰ شانہ
تیرے ہی ہاتھوں میں اپنی جان دوں — بن کے لونڈی تیرے قدموں میں ہوں
یاد کیا تجھکو زمانہ وہ نہیں — تو تھا مجنوں میں تھی تیری نازنیں
ہوتی اوجھل آنکھ سے گر ایک دم — مثل دیوانوں کے تو کھاتا قسم
اُس کو لاؤ۔ ورنہ میں مرجاؤں گا — ظلم سارے گھر پہ کوئی ڈھاؤں گا
کس طرح ٹوٹے نہ مجھپر آسماں — کیوں نہ تلوے سے لگے میری زباں
کیوں نہ گزرے دل پہ میرے سخت شاق — جب زباں پر لائے تو لفظِ فراق
کہہ رہی تھی یہ اور اشکوں کی جھڑی — اُس کی آنکھوں سے برابر لگ گئی
اُسکو روتے دیکھکر وہ رو پڑا — دل نہ قابو میں رہا پھر مرد کا
اِس طرح فرما گیا ہے اک حکیم — مرد جس کی عقل ہوتی ہے سلیم

بس میں آجاتے نہیں عورت کے ضرور — ہو اگر عورت میں بھی عقل و شعور
منتر اُس کا جہل پر چلتا نہیں — کیونکہ جاہل جہل سے ٹلتا نہیں
رقّتِ دل کا نہیں ہوتا نشاں — اُس کے دل میں کسطرح ہو مہرباں
مہر و رقّت خاصۂ انساں کا ہے — سختی اور ضد خاصۂ حیواں کا ہے
پونچھ کے آنسو لگا پچکارنے — یوں بنائی بات پھر مکّار نے
میں تو کرتا تھا ہنسی اے پُر وفا — تُو تو سچ مچ ہو گئی مجھ سے خفا
الغرض کرکے خوشامد اور پیار — غصہ بیوی کا دیا بالکل اُتار
ہو گئے اک آن میں جیسے کہ تھے — باتیں ہنس ہنس کے بہم کرنے لگے
اور کہا جو حکم ہو طیار ہوں — مت نکھٹو جان مردِ کار ہوں
تنگ دستی کا بتا چارہ مجھے — مت نکمّا جان مہ پارہ مجھے
ہو کے خوش عورت نے پھر اُس سے کہا — حال شہ کا کیا نہیں تو نے سُنا
نائبِ رحماں سخی ہے بے نظیر — پل میں کرتا ہے فقیروں کو امیر
اُس کی چشمِ لطف گر اک بار ہو — سب دلدّر یہ ہمارا پار ہو
سُن کے اعرابی یہ بولا جانِ جاں — یہ تو سچ ۔ لے جاؤں پر کیا ارمغاں
ہاتھ خالی بادشاہوں کے حضور — جانا ۔ ہے واللہ بہت دانش سے دور
شاہ کے قابل تو عورت نے کہا — تحفہ گھر میں کچھ نہیں اپنے رہا
سب سے بڑھکر ہی جو اپنے پاس شے — پانی اس تالاب صحرائی کا ہے

فخر ہے جس پر ہماری قوم کو
ناز ہے اِس پر ہی ساری قوم کو

جس کے باعث بادیہ کے کل عرب
ہیں ہماری قوم کے محتاج سب

ایک ٹھلیا لیکے پانی اُس میں بھر
جا کے کر نذرِ شہِ فرخ سیر

پی کے خوش ہوگا شہِ فرخندہ کام
دے گا وہ انعام میں زر لاکلام

کر کے ہمت لیکے وہ نامِ خدا
جانبِ بغداد فوراً چل دیا

اک مہینے تک منازل کر کے طے
دیکھتا کیا ہے کہ اِک درگاہ ہے

جسکے در کی آستاں بوسی کی چاہ
دل میں رکھتے ہیں امیر و بادشاہ

جسکے دروازہ کے آگے تھی کھڑی
فرسخوں تک صف دورویہ فوج کی

تھی رسائی وہاں غریبوں کی کہاں
جلتے تھے پر اچھے اچھوں کے جہاں

تھا خلیفہ کا مگر یہ اذنِ عام
جو مسافر ہوں نئے وارد تمام

تین دن تک شاہ کے مہماں رہیں
دو طعام اُن کو جو وہ مُنہ سے کہیں

لے گئے اُس کو محل میں شاہ کے
خدمت اُس کی ہر طرح کرنے لگے

اُس سے پوچھا کس طرح آنا ہوا
کھینچ لائی ۔ بولا وہ شہ کی سخا

کاٹ کے آیا ہوں خونی راستے
لایا ہوں پانی میں شہ کے واسطے

اِک جگہ صحرا میں ہے تلِّ نزار
پانی ہے اُس کا نہایت خوشگوار

مسکرائے سُن کے یہ شہ کے نقیب
کچھ نہ بولے تا نہ شرمائے غریب

لے گئے ٹھلیا خلیفہ کے حضور
پانی تہا بودار رکھا اُسکو دور

جب خلیفہ نے سنا احوال سب — یہ کہا اُس سے کہ لے بھائی عرب
مہربانی تو نے کی ہم پر بڑی — ہاں پئیں گے آج ہم پانی یہی
پھر ہوا یہ حکم زر حاضر کرو — اُس سے ٹھلیا اِس مسافر کی بھرو
قیمتی خلعت کیا اُس پہ مزید — وہ دیا جس کی نہ تھی اُسکو امید
یہ کہا پھر کل کے دن وقتِ سحر — سیر دجلہ کی کراؤ ناؤ پر
لے گئے دریا پہ جب اُس کو نقیب — دیکھتا کیا ہے تماشا ہے عجیب
ناؤ جو دیکھی تو باچھیں کھل گئیں — دیکھ کر دجلہ کو آنکھیں کھل گئیں
دیکھ کر دریا کو وہ مردِ عقیل — دل میں یہ کہنے لگا ہو کر ذلیل
آبِ صحرا اور یہ پانی کہاں — ذرّہ اور خورشید۔ لاثانی کہاں
یہ کہاں موتی سا پانی اور کہاں — آب بدبو۔ میں جو لایا تھا یہاں
گر مدد کرتا نہ اِس شہ کا کرم — میں نے بیہودہ گھسائے تھے قدم
مجھ کو اِس پانی کی ہوتی گر خبر — پھوڑتا ٹھلیا میں اپنی سنگ پر

تشریح

ہے سبوئی آب اپنا کل کمال — اور خدا کے شان کی دجلہ مثال
اُس کی ہم کرتے ہیں جو حمد و ثنا — کل دکھا کے زور اپنے علم کا
آبِ بدبو سے نہیں تحفہ یہ کم — رد نہیں کرتا یہ ہے اُس کا کرم

دیکھتا ہے وہ خلوصِ قلب کو
صحتِ الفاظ چاہے ہو نہ ہو

حکایت (۱۲)

مرتضیٰ رضؓ شیرِ خدا کے سامنے
عرض کی اک مشرکِ ناکام نے

آپ کو کہتے سنا ہے بارہا
حافظ و ناصر ہمارا ہے خدا

آپ کا سچّا اگر ہے یہ کلام
اس پہ رکھتے ہو یقیں بھی گر تمام

اِس مکاں کے بام پر چڑھیے ذرا
کہہ کے بسم اللہ گر پڑیے ذرا

ہم بھی تو دیکھیں تمہارا وہ خدا
کس طرح لیتا ہے مرنے سے بچا

آپ نے فرمایا یہ تیرا سوال
ہے حماقت کا نشاں اے ناکمال

ہے ترا مطلب بنوں میں بے ادب
امتحاں لوں اُسکا جو ہے میرا رب

ہم تو بندے ہیں ہماری کیا مجال
امتحاں لیں اُسکا جو ہے ذوالجلال

ہے حکیم و قادرِ مطلق خدا
کام میں اُسکے نہیں چون و چرا

اختیار آقا کو ہے یہ بارہا
آزمائے اپنے بندے کی وفا

بندہ آقا کا جو لے گا امتحاں
کیا سِڑی اُسکو نہ سمجھے گا جہاں

حکایت (۱۳)

ایک سادہ لوح آیا دوڑتا
ہونٹ نیلے چہرہ ڈر سے زرد تھا

نے بیوقوف

عرض کی اُسنے سلیماں سے کہ شاہ مجھ کو عزرئیل سے دیجے پناہ
پھر رہا تھا آج میں بر گشتہ بخت مجھ کو دیکھا اور گھورا اُس نے سخت
تیور اُسکے تھے نہایت ہی کڑے جان کے ہیں مجھکو اب لالے پڑے
چاہتا ہے کیا ؟ سلیماں نے کہا مدعا جو کچھ ترا ہو وہ بتا
عرض کی اُس نے کہ اے حق کے نبیؑ ہیں ترے محکوم سب دیو اور پری
آپ پر بھی حکم ہے تیرا رواں اور اُڑتا ہے ہوا پر بھی نشاں
گر ہوا کو حکم فرمائیں حضور ہند میں لے جائے مجکو یاں سے دور
گر چلا جاؤں میں ہندوستان کو پھر رہے خطرہ نہ میری جان کو
باد کو حضرت نے فرمایا کہ ہاں اِس کو لے جا جانبِ ہندوستاں
دوسرے دن صبح کا پھیلا جو نور تیرگی شب کی ہوئی دنیا سے دور
لگ گیا پیغمبری دربار عام آئے عزرائیل بھی کرنے سلام
یوں کہا اُس سے سلیماںؑ نے بتا کل فلاں بُڈھے سے تو نے کیا کہا
عرض کی اُسنے کہ اے شاہِ جہاں حکم تھا کہ ہند میں قبض اُسکی جاں
دیکھ کر اُسکو یہاں پھرتا ہُوا میں یہ سمجھا تھا کہیں دھوکہ ہُوا
اِس لیے کی غور سے اُس پر نظر کچھ نہ بولا اور گیا آگے گزر
مجھ کو آتا تھا تعجب بار بار کیونکہ پُورا ہوگا حکمِ کردگار
آج لیکن ہند میں جب میں گیا وہ وہاں تھا میں نے جھٹ گھونٹا گلا

تشریح

غور سے گر ہم کریں کچھ بھی خیال — ہے یہی دنیا کے سب ہندوؤں کا حال
لوگ کرتے ہیں بھروسہ عقل پر — تا اُنہیں حاصل بلا سے ہو مفر
کچھ نہیں دیتی مدد عقلِ رکیک — جا پہنچتے ہیں بلا کے مُنہ میں ٹھیک
بھاگتے ہیں سانپ سے کر کے حذر — اژدہے کے مُنہ کی جانب بے خبر
لاکھ کی فرعون نے ردِّ قضا — دشمن اِسکی گود میں پلتا رہا
عقل ہی سے گر بنیں سب کاروبار — کون جانے قدرتِ پروردگار

حکایت (۱۴)

مسخرا تھا اک نہایت بے ادب — اُس نے اپنی جان پر ڈھایا غضب
جان کر اک روز مُنہ ٹیڑھا کیا — نام احمدؐ کا تمسخر سے لیا
رہ گیا قدرت سے کج اُسکا دہاں — تب سُرت مردک کو آئی ناگہاں
منفعل دوڑا گیا پیشِ حضور — عرض یوں کرنے لگا وہ پُر قصور
در پہ آیا ہوں میں تیرے مصطفٰےؐ — بخش دیجے سب مرے جرم و خطا
تجھ پہ ہیں علمِ خفا کے در کھُلے — واسطے تیرے سما کے در کھُلے
جو بھڑا تجھ سے ہوا فوراً فنا — سر جھکایا جس نے وہ کندن بنا

جو کہا میں نے حماقت تھی وہ سب / جو کہا میں نے جہالت تھی وہ سب
مجھ سے اے مولیٰ یہ نادانی ہوئی / رحم کیجے سخت شیطانی ہوئی
رحم کر اے رحمۃ للعالمیں / اب سہارا تیرے سوا کوئی نہیں
آئی جنبش میں رگِ غفورِ رحیم / جوش میں آیا یم جودِ کریم
بخشدی رحمت سے تائب کی خطا / قدرت رب سے وہ چنگا ہوگیا

نتیجہ

عیب پوشی اپنی گر منظور ہو / عیبیوں کے عیب بھی ڈھکتے رہو

حکایت (۱۵)

ایک کشتی پر ہوا نحوی سوار / تھا کہیں جانا اُسے دریا کے پار
تھا نہ کچھ خطرہ موافق تھی ہوا / باتیں کشتی بان سے کرنے لگا
پوچھا جب وہ کرچکے کچھ راہ طے / نحو میں بھی آپ کو کچھ دخل ہے
سُن کے کشتی بان نے یہ عرض کی / مولوی صاحب نہ کیجے دل لگی
نحو کہتے ہیں کسے کیا ہے وہ شئے / نحو یہ کس جانور کا نام ہے
ہنس کے نحوی نے کہا جی واہ وا / تم نے اپنی عمر کی آدھی تباہ
جس کو نحو آتی نہیں حیوان ہے / نام ہی کا وہ فقط انسان ہے
ناخدا نحوی کا سُنکر یہ خطاب / سٹ پٹایا دل میں ہوکر لاجواب

یک بیک بادِ مخالف جب چلی	اور کشتی بھی بھنور میں جا پھنسی
ہوش نحوی کے وہیں پرّاں ہوئے	دست و پا جب خوف سے بے جاں ہوئے
تب کہا نحوی سے کشتی بان نے	مولوی صاحب سنبھل کر بیٹھئے
اب کوئی دم میں ہے کشتی ڈوبتی	کچھ نہیں باقی امید زندگی
موت آتی ہے نظر مجھکو یہیں	تیرنا بھی جانتے ہو یا نہیں
یوں دبی آواز سے اُس نے کہا	تیرنا تو میں نہیں کچھ جانتا
پائی پڑھنے سے نہ فرصت اسقدر	تیرنا بھی سیکھتا اے خوش سیر
یہ بھی بولا طنز سے پھر واہ جی	عمر تم نے مفت کل برباد کی

نتیجہ

جسم کی ورزش کا کرتو التزام	رکھ یہی تاکید بچوں پر مدام
ورزش جسمی کا تم رکھو خیال	وقت لو اس کے لیے بھی کچھ نکال

فائدہ

محض علم اس جا نہیں آتا ہے کام	کچھ ہنر بھی سیکھ لے فرخندہ نام
ہو کے عالم ہو اگر خیرات خوار	علم کو کرتا ہے وہ بے قدر و خوار
لاجرم رہتی ہے اسکی پر نظر	ہر کس و ناکس کے دائم ہاتھ پر
اس قدر اوروں کا جو محتاج ہو	حق وہ کہہ سکتا ہی کیا سچ تو کہو
ہو جو ایسا دون ہمت پست حال	کس طرح ہونگے بلند اُسکے خیال

کیا اولی الامر کرے گا وہ؛ بتا! — جو کہ ہے ماتحت خود ہر ایک کا
دیکھو گر اسلام کا علمِ رجال — پاؤ گے ایسے بہت سے باکمال
پاؤ گے ایسے ائمہ بے شمار — کسبِ حرفت سے نہ جو رکھتے تھے عار
کھایا کرتے تھے کما کر ہات سے — بھاگتے تھے دور جو خیرات سے
کوئی تھا فرّا کوئی حلاج تھا — کوئی قصّار اور کوئی سرّاج تھا
کوئی عطار اور کوئی حمّال تھا — کوئی دبّاغ اور کوئی قفال تھا
تھا حریری کوئی کوئی صیرفی — تھا کوئی خیّام کوئی رودکی
چونکہ دنیا کے نہ تھے محتاج وہ — اس لیے تھے دین کے سرتاج وہ
سامنے حجاج سے سفّاک کے — روبرو تیمور سے بیباک کے
سامنے الحاکم خوں خوار کے — روبرو محمود کے سفّار کے
سامنے ہارون ذو احتشام کے — روبرو چنگیز خوں آشام کے
حق کے کہنے میں نہ کرتے تھے درنگ — جھوٹ سے اُن کی سدا رہتی تھی جنگ

حکایت (۱۶)

تھی نہ لیلےٰ کچھ بہت ایسی حسیں — تھا فدا اُس پر مگر قیس حزیں
یہ سوال اک شخص نے اس سے کیا — قیس کو تو نے ہی مجنوں کر دیا
عشق میں تیرے ہی وہ شیوا بیاں — ہو گیا خاموش اور کج مج زباں

تیرے ہی سودا کا کیا آزار ہے ۔۔۔ جس سے وحشت ہو اُسے بازار ہے

کیا یہی آنکھیں ہیں جنکی کرکے یاد ۔۔۔ پھرتا ہے وحشی بنا وہ نامراد

کیا اسی محراب ابرو کی نماز ۔۔۔ پڑھتا ہے کم عقل وہ اتنی دراز

وہ دہن کیا ہے یہی نے گفتگو ۔۔۔ اِس قدر جس کی ہے اُسکو جستجو

کیا پڑی اُسپر انہیں زلفوں کی مار ۔۔۔ ہے جو مثلِ مار پیچاں بیقرار

فکر میں جسکے یہی ہے وہ کمر ۔۔۔ بن گیا وہ سوکھ کر تارِ نظر

کیا اِسی سیبِ ذقن کی چاہ ہے ۔۔۔ جس میں وہ غرقِ صفیر و آہ ہے

آدمی کی شکل اور صورت سہی ۔۔۔ کون سی ہے پردہ شانِ دلبری

کونسی ہے تجھ میں معشوقوں کی شان ۔۔۔ ہے نہ تو حسن اور نہ غمزہ اور نہ آن

کوئی بھی انداز معشوقاں نہیں ۔۔۔ ہوتے ہیں معشوق بھی ایسے کہیں

سُن کے لیلے نے کہا خاموش رہ ۔۔۔ سوچ پہلے بات کو پھر مُنہ سے کہہ

میں وہی ہوں۔ تو نہیں مجنوں مگر ۔۔۔ کس طرح آؤں تجھے لیلے نظر

قیس کی آنکھیں اگر دیتے تجھے ۔۔۔ دور سے تو دیکھتا خوشتر مجھے

حکایت دیگر

کہتے ہیں احمد کا روئے پُرضیا ۔۔۔ دیکھ بوجہل یوں کہنے لگا

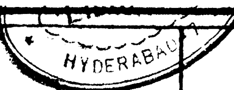
مجکو تو آتا نہیں واللہ نظر ۔۔۔ تجھ میں کچھ بھی حسن یا کوئی ہنر

دیکھ کر صدیق نے پھر یہ کہا | آفتابِ دو جہاں تو ہے شہا
چہرۂ تاباں ہے ایسا پُر جمال | بدر کامل ہو مقابل کیا مجال
روئے اقدس سے عیاں ہے نورِ حق | آپ کی خاطر ہوئے افلاک شق
آپکے احساں ہیں وہ انساں پر | تا قیامت بھی نہ بھولیں گے بشر
آیتِ رحمت ہو عالم کے لیئے | زہر مہرہ شرک کے سم کیلئے
درفشاں سُنکے ہوئے پھر یوں حضور | تھا عیاں روئے مبارک پر سرور
سچ ہے جو تونے کہا اے یارِ غار | تو ہے سچا صدق ہے تیرا شعار
عرض کی فاروق نے اے یارِ رب | راست دونوں قول ہو سکتے ہیں کب
آپنے فرمایا اے میرے رفیق | سچے ہونے کا یہی ہے اک طریق
ہوتے ہیں آئینہ ساں حق کے رسول | نیک و بد کی شکل کرتے ہیں قبول
ہر کوئی جیسا ہے بتلاتے ہیں ہم | عکس اُسکا اُسکو دکھلاتے ہیں ہم
کفر بوجہل اُسکو آتا ہے نظر | صدق صدیق اُسپہ ہی خود جلوہ گر

نتیجہ

کان آنکھ اور ناک۔ اور عضا تمام | دل کے ہیں تابع نہیں اسمیں کلام
دوست تجھ میں دیکھتا ہے وہ ہنر | جو نہیں آتے ہیں دشمن کو نظر

جو نہیں موجود ہوتے تجھ میں عیب
دیکھتا دشمن ہے وہ بے شک و ریب



حکایت (۱۸)

اپنے دروازے میں اک مردِ ظریف
تھا کھڑا۔ کیا دیکھتا ہے۔ اک شریف

فربہ لمبا۔ اور متین اور شکیل
بزِ اخفش کیطرح ڈاڑھی طویل

عالموں کا سا عمامہ زیب سر
شملہ بھی چھوٹا ہوا تھا تا کمر

جُبّہ لمبا پانوں تک لٹکا ہُوا
تکمے میں قبلہ نما اٹکا ہُوا

دوڑتا باہر سے آیا ہانپتا
سر سے پا تک خوف سے تھا کانپتا

خشک تھے لب چہرہ اُسکا زرد تھا
جسم اُس کا خوف سے کل سرد تھا

بندھ گئی گھگّی نہ کر سکتا تھا بات
اُس سے پوچھا ہوگئی کیا واردات

آپ کو ہے کِس کا ڈر سچ تو کہو
کیا کسی کا خون کرکے آئے ہو

میں نہ خونی ہوں وہ بولا اور نہ چور
پکڑے جاتے ہیں گدھے باہر بزور

پکڑے جاتے ہیں گدھے بیگار میں
کچھ گدھے درکار ہیں سرکار میں

آپ تو۔ اُس نے کہا۔ انسان ہیں
اور خدا کے فضل سے باشان ہیں

گر پکڑتے ہیں گدھوں کو شہر میں
ہمکو کیا مطلب ہے اِس سے اور تمھیں

آپ کی شکل و شباہت اَور ہے
اور گدھوں کی شکل و عادت اور ہے

فکر یہ ناحق ہے کیوں پھر آپ کو
کیا تعلق اُن سے آخر آپ کو

کیا نرے احمق ہیں سرکاری نفر
آپ کو جو فرض کرینگے وہ خر

یہ جواب اُسنے دیا کیجے قیاس | آپ جیسے سب نہیں مردم شناس
جب پکڑ لیں گے مجھے بازار میں | اور سے جائیں گے پھر سرکار میں
سب بے تمیزوں سے پڑے گا سابقا | میں کہاں تم کو پھروں گا ڈھونڈتا

فائدہ

احتیاط انساں سدا کرتا رہے | ہے مناسب اُس کو وہ ڈرتا رہے
یہ نہ سمجھے میں تو بالکل پاک ہوں | ڈر ہے کس کا وہم میں پھر کیوں پڑوں
یہ نہ سمجھے میں نہیں ہوں جب بُرا | میرا دشمن کون ہوگا پھر بھلا
تو بھلا ہے پر بُرے بھی ہیں یہیں | عاقبت کا خوف جو رکھتے نہیں
جانتے ہیں فرض وہ کرنا بُرا | خویش و بیگانہ ہے اُن کو ایک سا
خلق آزاری میں رکھتے ہیں کمال | کینہ ور ہوتے ہیں بچھو کی مثال
کوئی ہو اُس سے نہیں بالکل غرض | ڈنک ماریں گے۔ یہ ہی اُن کو مرض
ہے یہی فطرت کا اُن کی اقتضا | ہوتے ہیں مجبور کیا کیجے گلا

حکایت (۱۹)

شہر میں وارد ہوا اک نیک خو | چند دن کی اُس نے گھر کی جستجو
گھر نہ آتا تھا کوئی اُسکو پسند۔ | تھے مکاں تاریک سب اور بند بند
چاہتا تھا وہ کشادہ ہو مکاں | چوڑے کمرے اور آگے سائباں

اونچی اونچی ہوں چھتیں آنگن بڑا
ہو شجر اک سایہ دار اُس میں کھڑا

حوض بھی ہو حوض میں فوارہ ہو
چھت سے اُس کی باغ کا نظارہ ہو

پاس ہوں شاگرد پیشے کے مکاں
تا رہیں گھوڑے نظر میں ہر زماں

صاف اور ستھرا ہو مردانہ بھی ساتھ
پر کہیں ایسا مکاں لگتا ہے ہاتھ

چھان مارے کوچہ و بازار سب
پھرتے پھرتے تھک گئے جب یار سب

اتفاقاً ایک کوچہ میں کھڑا
اِک پُرانا دوست اُس کو مل گیا

ہم سبق دونوں رہے تھے وہ کبھی
خط کتابت ایک مدت سے نہ تھی

دیکھکر چہرہ پرانے یار کا
پھول کی مانند اُس کا دل کھلا

یہ ملا ہوکر بغل گیر اُس کے ساتھ
چومی آنکھیں اسنے چومے اُسنے ہاتھ

اور کہا خدمت مجھے بتلایئے
آپ یوں پھرتے ہیں مشفق کسلئے

یہ جواب اُسنے دیا اے مہرباں
چاہیئے مجھ کو کرایہ پر مکاں

ہو کشادہ وہ ہوادار اور صاف
ہو نہ ہمسایہ طبیعت کے خلاف

سُن کے وہ بولا کہ اے فرخندہ خو
اِس قدر ہے فکر ناحق آپ کو

یہ مرے ہمسایہ میں ہے اک مکاں
وصف جس کا کر نہیں سکتی زباں

گرچہ ویراں ہوگیا ہے اور خراب
شہر میں اس کا نہیں اب بھی جواب

عرض میں اور طول میں ہے بے بدل
خوبیاں اُسکی ہیں یاں ضرب المثل

ق
چھت اگر ہوتی بڑے دالان پر
مطبخ و دہلیز بھی ہوتے اگر

ہوتا ثابت اُس کا مردانہ اگر ق گر نہ پڑتا اُس کا تہ خانہ اگر
پشت کی دیوار گر پڑتی نہ گر ق غسل خانہ شق نہ ہو جاتا اگر
خشک ہوتا گر نہ اِس کا یہ چمن لہلہاتے اُس میں گل اور یاسمن
اِس سے بہتر رائے میں میری مکاں کوئی ہرگز دے نہ سکتا پھر نشاں
سُن کے سب یہ گفتگو بولا وہ یوں آپ کی تکلیف کا ممنون ہوں
مشفقِ من! چاہیئے مجکو مکاں گر اگر سے کام چلتا ہے کہاں

نتیجہ

گر اگر کہنا نہیں مردوں کا کام کام ہیں شرطوں سے رہتے ناتمام
ہے یہ قولِ خاتمِ پیغمبراں لفظ یہ کم ہمتی کے ہیں نشاں

حکایت (۲۰)

خدمتِ فاروقؓ میں اِک ایلچی روم سے لایا پیامِ قیصری
ایک مدت میں مسافت کر کے طے پہنچا جب یثرب میں وہ فرخندہ پے
پوچھتا سارے مدینے میں پھرا دو خلیفہ کے محل کا کچھ پتا
لوگوں سے کرتا تھا وہ جب خطاب ہنس کے دیتے تھے اُسے سب یہ جواب
حفظ خالق اُسکا ہے حصن حصین قصر کی اُس شیر کو حاجت نہیں
گو نہیں اُسکے کوئی قصر و محل پر نہیں دنیا میں اب اُسکا مثل

ہے امیر المومنین گرچہ عمرؓ
پر نہیں رکھتا غریبوں سا بھی گھر

سن کے لوگوں سے عجب یہ ماجرا
شوق قاصد دمبدم بڑھنے لگا

ہر طرف کرتا رہا وہ جستجو
کر رہا تھا اپنے دل سے گفتگو

ہے تعجب۔ فاتح ملکِ شہاں
جان روشن کیطرح ہے یوں نہاں

آخر اک بڑھیا یہ بولی دیکھ اُدھر
نخلِ خرما کے تلے ہے وہ عمرؓ

ظلِ حق سایہ میں ہے بیٹھا ہوا
یہ عمرؓ ہے جس کو تو ہے ڈھونڈتا

دور سے دیکھا ملیں نظریں بہم
لڑکھڑا اُٹھے وہیں اُسکے قدم

دل پہ طاری ہو گئی حالت نئی
منہ پہ بھی مہر خموشی لگ گئی

ڈیل میں تھا ایلچی گو پیل تن
کانپنے لیکن لگا اس کا بدن

دل میں کہتا تھا الٰہی کیا ہوا
قیصر و کسرا کو دیکھا بارہا

جنگ میں بھی زخم کھائے سینکڑوں
دشمنوں کے سر اُڑائے سینکڑوں

میں نے مارے بیسیوں شیر و پلنگ
پر کبھی بدلا نہ اس چہرے کا رنگ

کانپتا ہے اب تو میرا جوڑ جوڑ
آ کے یاں نکلی ہے اب ساری مروڑ

آسمانی رعب ہے اس شخص کا
ہے خدائی بھید گدڑی میں چھپا

نتیجہ

حق سے جو ڈرتا ہو ظاہر اور نہاں
اُس سے ڈرتے ہیں سبھی خورد و کلاں

اُس سے ڈرتے ہیں سبھی دیو و پری
کرتے ہیں ارض و سما فرماں بری

حکایت (۲۱)

عہد میں فاروقؓ کے مطرب تھا ایک — رند ظاہر میں مگر باطن میں نیک
اپنے فن میں تھا یگانہ اوستاد — قاعدے سب راگ کے ازبر تھے یاد
تھی جوانی میں کبھی اُس کی یہ دھوم — آتے تھے ہر سو سے شائق جھوم جھوم
چنگ کو جب وہ بجاتا شوق سے — اور گاتا راگ کوئی ذوق سے
زہرہ سنتی تھی تو رہ جاتی تھی سُن — چرخ میں آتا تھا یہ چرخِ کہن
راگ میں تھا اُس کے جادو کا اثر — کان بن جاتے تھے سب دیوار و در
جب کبھی دمساز ہوتا ساز سے — ڈالتا مُردوں میں جان آواز سے
زور پر جب تک رہا عہدِ شباب — زور پر اُس کا رہا چنگ و رباب
جس قدر وہ ناتواں ہوتا گیا — بے سُرا ہوتا گیا اُس کا گلا
کہنہ سالی میں نوا سازی گئی — دانت ٹوٹے اور خوش آوازی گئی
قاعدہ دنیا کا ہے یہ مُستمر — کوئی شئے رہتی نہیں اک حال پر
ناز اُٹھاتے تھے کبھی جو نازنیں — اب نہ دیتے بھول کر نانِ جویں
ایک دن کی عرض اُسنے اے خدا — مدتوں تک تجھ سے میں بھاگا پھرا
سر کے بالوں میں سفیدی آگئی — چہرے پر میرے سیاہی آگئی
معصیت میں کاٹے ہیں ستر برس — اب نہیں باقی گناہوں کی ہوس

عیب میں کرتا رہا بیباک خوب — تو رہا ستّار و غفار الذنوب
نفس نے ہر آن جرأت دی مجھے — اتنے دن تو نے بھی مہلت دی مجھے
لطف میں تو نے کمی کوئی نہ کی — رزق کی تکلیف اک دن بھی نہ دی
تجھ پہ گر قرباں کروں اپنے تئیں — شکر احساں پھر بھی ہو سکتا نہیں
چنگ لیکر چل پڑا سوے بقیع — بے کسی کو لایا وہ اپنا شفیع
گریہ و زاری سے جب وہ تھک گیا — سو گیا تکیہ لگا کر قبر کا
یہ تو یاں سوتا تھا بالکل بے خبر — واں سنو تم حالتِ حضرت عمرؓ
حضرتِ فاروقؓ تھے مصروفِ کار — نیند آئی زور کر کے ایک بار
دل کو اپنے کام میں ڈالا بہت — ہر طرح سے نیند کو ٹالا بہت
چڑھ کے آئیں جس گھڑی افواج خواب — ہو گئے ہوش و خرد تاراج خواب
ہو گئے مصروفِ خواب آخر عمرؓ — کچھ نہ تن من کی رہی اُن کو خبر
خواب میں اُنسے کسی نے یہ کہا — ہے بقیعِ پاک میں اک باخدا
سات سو دینار جا کے اُس کو دے — اُس کی دل جوئی بھی کر ہر طور سے
لے کے ہمیانی گئے حضرت عمرؓ — کی بقیعِ پاک میں ہر سو نظر
پیر چنگی ایک تھا سویا ہُوا — اور وہاں اُسکے سوا کوئی نہ تھا
دل میں وہ شیرِ خدا کہنے لگا — پیر چنگی اور پھر خاصِ خدا؟
ہو گیا لیکن جب اُنکو یہ یقین — اور کوئی یاں سوا اس کے نہیں

دل کو اپنے کی ملامت اور کہا
کیا عجب ۔ ہو اسپہ ہی لطفِ خدا

بیٹھے اُسکے سامنے با صد ادب
اور تعظیماً نہ کھولے اپنے لب

چھینک آئی اُن کو ایسے زور سے
چونک اُٹھا پیرِ چنگی شور سے

آنکھ کھولی دیکھا بیٹھے ہیں عمرؓ
پیرِ چنگی کانپ اُٹھا سر بسر

ڈر نہ مجھ سے آپ فرمانے لگے
میں فقط آیا ہوں تیرے واسطے

آپ فرمانے لگے مجھ سے نہ ڈر
میں ہوں تیرے واسطے اک خوشخبر

مژدہ تیرے دوست کا لایا ہوں میں
صرف خدمت کے لیے آیا ہوں میں

حق تعالےٰ تجھکو کہتا ہے سلام
یہ صلہ بھیجا ہے تجھ کو اور پیام

دے صلہ میں یہ رقم اور خرچ کر
ہو چکے گی جب تو دے گا پھر عمرؓ

کر توکل ہمپہ اور گا شوق سے
چنگ تیری ہم سنیں گے شوق سے

یہ بشارت پیرِ چنگی نے سنی
گر کے سجدے میں خدا سے عرض کی

یا الٰہی! شکر تیرا زینہار
کر نہیں سکتا یہ عاصی شرمسار

شک نہیں بندہ نوازی میں تری
بندگی میں گو ہوئی مجھ سے کمی

عمر کھوئی چنگ بازی میں تمام
بھول کر بھی تو لیا تیرا نہ نام

نیک اور بد میں نہ کی ہرگز تمیز
زیر و بم میں کھوئی کل عمرِ عزیز

زندگی کی اب نہیں مجھکو ہوس
آرزو ہے میرے دل کی اب یہ بس

قیدِ دنیا سے مجھے آزاد کر
روح کو رحمت سے اپنی شاد کر

ہو گئی اُس کی دعا تیرِ ہدف	گوہرِ جاں نے کیا خالی صدف
جان دی سجدے میں حق کو یاد کر	جان دیدی ٹیک کر سجدے میں سر
زندگی جاوداں حاصل ہوئی	روح اُسکی اصل سے واصل ہوئی

نتیجہ

ہے کفیل دو جہاں نکتہ نواز	چاہیئے درگاہ میں اُس کی نیاز
کام وہاں آتی نہیں کوئی او رشئے	عجز و زاری کی فقط وہاں پوچھ ہے
ہم پہ اللہ کی اگر رحمت بڑھے	عجز و زاری کی طرف رغبت بڑھے
خوف رب سے جو رہیگا اشک بار	رحم فرمائے گا اُسپر کردگار
ڈول کی مانند چشم تر سے رو	صحن جاں میں اپنے گل رحمت سے دھو
کر تو زاری تجھپہ ہو حق مہرباں	ہو جہاں پانی رواں سبزہ ہو واں
کیا مبارک آنکھ وہ دنیا میں ہے	روئے جو خوفِ خدا سے پے بہ پے
سوز سے اِس کی جو جلتی ہی ہر آں	فی الحقیقت ہیں خنک وہ تن وہ جاں

حکایت (۲۲)

اہلِ قزوین میں یہ اِک دستور تھا	گرچہ تھا دستور یہ از حد بُرا
جسم تھے یہ لوگ اپنا گودتے	صورتیں اُسپر بناتے سوئی سے
پہلواں قزویں کا اِک نائی کے پاس	جاکے یوں بولا کہ بے خوف و ہراس

میرے شانے پر بنا تصویر ایک — ہاتھ تیرا ہے سُبک اے مردِ نیک
نائی نے پوچھا بناؤں کیا میاں — یہ کہا اُس نے کہ ہو شیرِ ژیاں
ہے اسد طالع مرا۔ ہوں شیر بند — شیر کی تصویر ہے مجھ کو پسند
نائی نے لی ایک سوئی نوک دار — اور لگا اُستاد کرنے اپنا کار
رو کے قزوینی پکارا ہائے رب — مار ڈالا ٹھیرا اے ظالم تو اب
یہ بتا کیا عضو ہے یہ شیر کا — جس کو کندھے پر میرے ہے گودتا
نائی بولا روک کر سوزن شتاب — شیر کی دُم ہوں بناتا اے جناب
اِس قدر ہوتے ہو تم کیوں بے قرار — پہلواں بولا نہیں مجھ میں سہار
شیر بے دُم ہی بنا اے ذوفنوں — شیر بے دُم ہوگا مردی میں فزوں
دوسری جانب چبھا سوئی کا سر — رو دیا قزوینئے بے شرم پھر
اور کہا اُستاد جلدی دے بتا — کون سا یہ عضو ہے تو گودتا
ہائے میری جان نکلی رحم کر — نوک سوزن ہے کہ ہے یہ نیشتر
صبر کر قدرے۔ کہا نائی نے جب — کان سے آغاز میں کرتا ہوں اب
سُن کے قزوینی پکارا ہائے ہائے — تو نے مجھکو جاں سے مارا ہائے ہائے
کیوں بناتا شیر کے ہے کان تو — یہ سمجھتا کیا نہیں نادان تو
کاٹتے ہیں کان سگ کے اِس لیئے — تا عیاں ہو خوف اسکی شکل سے
تو بنا بے کان کا اِس شیر کو — تاکہ اِس کا خوف طاری سب پہ ہو

پہلواں سے جب یہ نائی نے سُنا — کان چھوڑے سوئی رکھی اور جبا
کیا بناتا ہے۔ کہا۔ اے پُرہنر — نائی بولا پیٹ ہی یہ صبر کر
یہ کہا اُس نے بتا مردِ خدا — شیر گر ہو بے شکم نقصان کیا
بُزدلانہ سُن کے قزوینی کی بات — سوئی پھینکی نائی نے توڑی دوات
اور ہو کر خشمگیں کہنے لگا — ہے عجب بےعقل تو۔ اور تھُڑدلا
شیر بے دُم بے شکم بے کان کا — تُو نے دیکھا بھی کہیں ہے یا سُنا
سوئی سے تُو کانپتا ہے اِس قدر — اور دعوےٰ یہ کہ ہُوں میں شیرِ نر
نوکِ سوزن کی نہیں ہے تجھ میں تاب — دیکھتا ہے جنگ کے میداں کے خواب

نتیجہ (۱)

اول اے شخص آپ کو لے آزما — آزما کر خوب پھر میداں میں آ
تاکہ میداں میں نہ ہووے تو خجل — بغلیں جھانکے اور کھڑا ہو پابگل

نتیجہ (۲)

امتحاں کے واسطے طیّار ہو — پھر توکل کر کے بیڑا پار ہو
محض دعوے سے نہیں چلتا ہے کام — دعوے کام آتا نہیں اے مردِ خام

حکایت (۲۴)

اک جواں تھا نیکبخت اور نیک نام — خدمتِ موسٰے میں رہتا تھا مُدام

پا کے موقع ایک دن یہ عرض کی　　ہے تمہارا فیض جاری یا نبیؑ
ایک عرصہ سے تمنا ہے کمال　　میں بھی حیوانوں کی سیکھوں بول چال
مجھ کو انساں کی زباں بھاتی نہیں　　خوش مجھے اُس کی ادا آتی نہیں
فکرِ نان و نوش میں رہتا ہے یہ　　پیٹ کے دھندے کی سب کہتا ہے یہ
اس سے برتر تو کبھی ممکن نہیں　　فکر ہو اِس کی رسا اور دوربیں
حضرتِ موسیٰ نے ٹالا بارہا　　اور اُسے قائل دلائل سے کیا
جس قدر انکار ہوتا تھا یہاں　　اُس قدر اصرار بڑھتا تھا وہاں
خاصہ ہے حضرتِ انسان کا　　اُن کی فطرت کا یہی ہے اقتضا
جس جگہ سے روکے جاتے ہیں وہ ان　　روکنے سے اور ہوتے ہیں رواں
آپ نے القصہ بہلایا اُسے　　نرمی اور سختی سے سمجھایا اُسے
دل سے اپنے خبط تو یہ دور کر　　اِس کٹھن رستے میں ہے جاں کا خطر
ضد سے اپنی وہ مگر آیا نہ باز　　عرض کی اُسنے یہ ازروے نیاز
جس پہ کی حضرت توجہ ایک بار　　بیڑا اُس کا ہو گیا اک پل میں پار
فیض کا چشمہ تمہاری ذات ہے　　میں رہوں محروم یہ کچھ بات ہے
رب سے موسیٰ نے یہ کی پھر التجا　　کیونکہ اِس احمق کو سمجھاؤں خدا
نیک و بد میں کچھ نہیں کرتا تمیز　　اِس کو اپنی جاں نہیں شاید عزیز
رب نے فرمایا کہ دے اسکو سکھا　　رد نہیں ہم کرتے عاجز کی دعا

ہم نے دی انساں کو عقل اور اختیار
اپنے فعلوں کا یہ ہے خود ذمہ دار

لیکے موسےٰ نے وہیں اللہ کا نام
اُس کو حیوانوں کے بتلائے کلام

دوسرے دن کھا کے کھانا شام کا
صحن کے میدان میں پھرنے لگا

ایک کُتا اور مرغِ خانگی
صحن میں تھے۔ خادمہ بھی آگئی

خادمہ نے آکے دسترخوان جب
اِس جگہ جھاڑا تو مرغِ بے ادب

لے گیا وہ گوشت کی بوٹی اُٹھا
رہ گیا مُنہ اُس کا کُتا دیکھتا

یہ کہا کُتّے نے۔ کہہ ایمان کی
تجھ کو ہے سوگند اپنی جان کی

مجھ پہ تو نے ظلم کیوں رکھا روا
گوشت کی بوٹی مرا کیا حق نہ تھا

دانے دُنکے ہیں ترا حق لاکلام
ہڈی بوٹی سے بھلا کیا تجھکو کام

مرغ بولا صبر کر تو رات بھر
بیل اِک آقا کا کل جائے گا مر

مرغ سے سُن کر خبر عیّار نے
بیل اُسی دم بیچکر کوڑے کیے

دوسرے دن پھر یہ کُتّے نے کہا
یار ہے کچھ جھوٹ میں بھی فائدا

مرغ بولا جھوٹ کی عادت مجھے
ہے نہیں۔ یہ خوب روشن ہے تجھے

دی بلا آقا نے اپنے سر سے ٹال
ہے مگر تقدیر کا ٹلنا محال

یاد رکھنا یہ کہ پرسوں بالیقیں
خیر بالکل اُسکے گھوڑے کی نہیں

کھولا گھوڑے کو سُنی جب یہ خبر
واپس آیا اُسکو فوراً بیچکر

بولا کُتا اب نہ دیجے دم ہمیں
شک نہیں بالکل تمھارے جھوٹ میں

مرغ بولا کی یہ آقا نے بدی — آئی اپنی غیر کے سر ٹال دی
جا کے گھوڑا مشتری کے گھر مرا — فعل لیکن اُسکا یہ اچھا نہ تھا
بیل اور گھوڑا اگر مرتے یہاں — فدیہ ہوتے اُس کی جا کے بیگماں
جان کا اب ہے زیاں اے پُر ہنر — کل یہ آقا دیکھنا جائے گا مر
نان و حلوا جائے گا میت کے ساتھ — ہم بھی دونوں خوب ہی مارینگے ہاتھ
عقل یہ سُن کے جوان کی اُڑ گئی — گڑگڑا کے عرض موسٰے سے یہ کی
عفو کیجے للہ عاجز کی خطا — اور کیجے میرے حق میں اب دعا
آپ فرمانے لگے اے رمز بیں — یاد رکھ۔ آئی قضا ٹلتی نہیں
اب بچے جو سوجھتا ہے سامنے — دیکھتا تھا میں پس دیوار سے

نتیجہ

ہو مصیبت کوئی نازل تجھ پہ گر — مال کا نقصاں بھی ہو تو غم نہ کر
فدیہ اُسکو جان اپنی جان کا — آپ تو نے ہاتھ سے گویا دیا

فائدہ

اِس میں کچھ حکمت خدا کی ہے ضرور — جو نہیں یکساں ہیں غیب و حضور
علمِ غیب انساں کو جو بخشا نہیں — اُس کے حق میں ہے یہ اچھا بالیقیں
ورنہ ہوتی زندگی اُسپر وبال — رہتا ہر لحظہ اُسے فکر و ملال
ہو نجومی یا ہو کاہن یا نبی — یا امامِ دہر ہو یا ہو ولی

علمِ غیب اصلاً نہیں اُن کو دیا
خاصہ ہے یہ خدائے پاک کا

جفر و جوتش اور رمل ہاتھ اور فال
ہے نتیجہ سب کا آخر میں ملال

چونکہ ہیں یہ حکمتِ رب کے خلاف
اِنکے ہے احکام میں بھی اختلاف

حکایت (۲۵)

ایک مکتب کا کوئی استاد تھا
سنگ دل اور سخت گیر اور بد لقا

لڑکے اُسکے جبر سے تھے تنگ حال
جانتے تھے اُس کو سب جاں کا وبال

بیٹھ کے اک دن کیا یہ مشورہ
کس طرح ہوں اس بلا سے ہم رہا

ہے یہ مثلِ سنگ خارا برقرار
اُس کو اک دن بھی نہیں آتا بخار

تھا خلیفہ اُن کا اک چلتا ہُوا
حق نے بخشی تھی جسے عقل رسا

یہ کہا اُسنے کہ اِک تدبیر تو
میں بتاتا ہوں اگر دل سے سنو

ہے مگر یہ شرط پہلے سب کے سب
میرے آگے کھاؤ تم سوگندِ رب

تم میں سے کوئی نہ غمازی کرے
کچھ پتہ استاد کو اس کا نہ دے

عہد و پیماں کر چکے مضبوط جب
بولا وہ لڑکا بتاتا ہوں لو اب

ہم میں سے ہر ایک جب اُستاد کے
سامنے آئے تو جھک کر یہ کہے

اِس قدر زردی نصیبِ دشمناں
کس لیے ہے آج چہرے پر عیاں

جب سنے گا بات یہ وہ بار بار
وہم اِس کے دل میں گر جائیگا کار

چھوڑ کے مکتب چلا جائے گا گھر　　ہم پھریں گے کودتے سب بے خطر

کہہ کے سب ہاں بات تو یہ ٹھیک ہے　　دفعتہً بولے "خلیفہ جی کی جے"

دوسرے دن ہو کے خوش گھر سے چلے　　سب کے سب جائے معیّن پر ملے

دل میں تھا ہر ایک اُن میں سے مگن　　دیکھیں تو چلتا ہے کیسے مکر و فن

قابو میں آئینگے آج اُستاد خوب　　عمر بھر ہم کو رکھیں گے یاد خوب

یہ خلیفہ نے کہا جاتا ہوں میں　　زاؤ میں اُستاد کو لاتا ہوں میں

بات کل کی یاد رکھنا تم سبھی　　لب پہ مت لانا کوئی ہرگز ہنسی

وہ گیا اور بھولا بھالا مُنہ بنا　　یہ لگا کہنے کہ یا مخدومنا

ہے نصیبِ دشمناں کیسا مزاج　　زرد ہے حضرت کا کچھ چہرہ جو آج

بولا یہ اُستاد ہو چیں بر جبیں　　اپنی جا پہ بیٹھتا تو کیوں نہیں

دل میں جو آیا خلیفہ کو کہا　　وہم کا شوشہ مگر دل میں رہا۔

دوسرا آیا کیا اُس نے سلام　　اور کہا یا حضرتِ والا مقام

دشمنوں کا آج چہرہ زرد ہے　　کیا کہیں حضرت کے سر میں درد ہے

کچھ نہ بولا سُن کے اُن کا اوستاد　　وہم کا دل میں بڑھا لیکن مواد

تیسرے شیطان نے آ کر یہی　　جب کہا اُستاد کی جاں پر بنی

حاشیہ پر حاشیہ چڑھتا گیا　　وسوسہ اُستاد کا بڑھتا گیا

الغرض اُستاد کو آیا یقیں　　کچھ نہ کچھ ہے بات خیریت نہیں

یہ کہا اُن سے کہ اب دُکھتا ہے سر — آؤ تم سب چل کے پڑھنا میرے گھر
جا کے بیوی سے کہا دشمن ہے تو — میں گیا مکتب میں تیرے روبرو
تو نے کیوں مجھ کو نہ یہ بتلا دیا — آج ہے اُترا ہوا چہرہ ترا
بیوی بولی آئینہ موجود ہے — دیکھ لے مُنہ بحث میں کیا سود ہے
کہہ گئے ہیں اس طرح خُردہ شناس — وہم کی دارو نہیں لقماں کے پاس
یہ کہا سُن کے نہ بس باتیں بنا — جا کہیں جلدی مرا بستر بچھا
تکیہ دے اور ڈال دے مجھ پر لحاف — باندھ پیشانی پہ پٹی ایک صاف
الغرض بیمار سچ مچ وہ بنا — ہائے ہائے درد سے کرنے لگا
لڑکے یہ کہنے لگے کیا فائدہ — اتنی کوشش کی۔ وہی پڑھنا پڑا
ہاں خلیفہ نے کہا اے دوستو — زور سے پڑھنا شروع اب تم کرو
چیخ کر پڑھنے لگے لڑکے وہ جب — یوں خلیفہ بولا ہو کر پُرغضب
تم کو کمبختو نہیں کچھ بھی خیال — درد سے اُستاد کا جی ہے نڈھال
سُن کے یہ اُستاد بولا جاؤ تم — چند دن تک اب نہ پڑھنے آؤ تم
جُھک کے تسلیمات سب لائے بجا — اور لگے کرنے بظاہر سب دعا
یا الٰہی دے شفا اُستاد کو — سایہ اس کا تا قیامت ہم پہ ہو
چھٹنا لڑکوں کا نہ تھا تھوڑی بلا — دُند اک سارے محلّے میں مچا
مائیں تھیں بیٹھی ہوئیں آرام سے — لو لگائے اپنے اپنے کام سے

دفعۃً چلّا اُٹھیں کیا اے خدا
پوچھا اُنسے کس لیئے آئے ہو تم
بولے وہ بیمار ہیں اُستاد جی
ماؤں نے اُن کی کہا کذاب ہو
دوڑی وہ ساری گئیں مُلّا کے پاس
یوں لگیں کہنے نہایت درد سے
دشمنوں کو دفعۃً کیا ہوگیا
بولا وہ معلوم مجھکو بھی نہ تھا
میری بیوی نے خبر مجھکو نہ کی
اِن جوانوں کا بھلا اللہ کرے

عقل پر مُلّا کے پردہ پڑگیا
ہم پہ کیوں قہرِ خدا لائے ہو تم
آج ہم کو اس لیئے چھُٹی ملی
دال میں کالا ہے کچھ۔ تم سچ کہو
جا کے دیکھا تو پڑا ہے وہ اداس
رات کو کل آپ تھے چنگے بھلے
دے خدا حضرت کو جلدی سے شفا
حال میرا ہے حقیقت میں بُرا
زیب و زینت سے اُسے فرصت نہ تھی
حال بیماری کا بتلایا مجھے

نتیجہ(۱)

عکس پر اسباب کے تو غور کر
آکے کہتے ہیں کہ تو ہے ایسا نیک
مُنہ پہ جو اچھّا بتلاتے ہیں تجھے
گر کوئی تعریف دل سے بھی کرے
ہے خوشامد نفس کی تیرے غذا
یہ مرض وہ ہے مہیب اور خوفناک

دوست جو آتے ہیں یہ تجکو نظر
نیک دل تجھ سا نہیں ہے مرد ایک
مسخرے ہیں سب بنلتے ہیں تجھے
ہے یہی حکم نبیؐ۔ کرنے نہ دے
فربہ ہونا نفس کا بھی ہے بلا
نفس کو کرتا ہے آخر میں ہلاک

نتیجہ (۲)

وہم کہتے ہیں بڑا خلّاق ہے
ہستی معدوم میں مشّاق ہے

پیدا خالق نے نہیں کی ہو جو شئے
وہ بھی اِسکے سامنے موجود ہے

اچھے بچّے کو بناتا ہے مریض
خط دکھائی دیتا ہے سطح عریض

اور سایون میں نظر آتے ہیں بھُوت
کاتتی ہے چاند میں بُڑھیا بھی سوت

دیتے ہیں پتھر کے بُت بھی پھر جواب
قبر کے مُردے بھی سنتے ہیں خطاب

فاختہ کہتی ہے حقّ سرّہٗ
آکے جن کرتے ہیں ظاہر گفتگو

ہوتے ہیں گرنے کو جب اہلِ کمال
آکے دستِ شیخ لیتا ہی سنبھال

دشت میں وہ بھُول جب جاتے ہیں راہ
خضرؑ آکے اُن کو دکھلاتے ہیں راہ

الغرض ہوکر معطل سب حواس
دل پہ غالب آکے ہوتا ہے ہراس

پتّہ کے ہلنے سے رستم سا جوان
کانپتا ہے خوف سے مثلِ زباں

واہمہ بچّے میں ہوتا ہے خفیف
وہ نہیں ڈرتا اگرچہ ہے ضعیف

واہمہ عورت کا ہی سب سے قوی
اپنے سایے سے بھی ڈرتی ہی کبھی

ہو خیال اِک چیز کا جو بیشتر
خواب میں آئے گی وہ شب کو نظر

فائدہ

آج کل کے کُل رئیس اکثر کبیر
ہیں کم و بیش اِس بلا میں سب اسیر

اُن کے خادم اور مشیر اور اہلکار
ہوتے ہیں عیّار اکثر نابکار

کرکے سازش ڈالتے ہیں ایسا ڈھنگ
چاہتے ہیں جو۔ چڑھا دیتے ہیں رنگ

خواہ وہ رستم بنا دیں خواہ زن　　چاہے شیطاں چاہے ابدالِ زمن
حاضرِ دربار جب ہوتے ہیں سب　　ہوتے ہیں حد سے زیادہ باادب
یکزباں ہوتے ہیں سب یوں حرف زن　　ہے بجا بالکل یہ حضرت کا سخن
بیٹھتے ہیں مل کے جب تنہا دنی (کمینے ۱۲)　　اپنے آقا کی اڑاتے ہیں ہنسی
حق نمک کا خوب کرتے ہیں ادا　　حیف اِن کو کچھ نہیں خوفِ خدا
علم سے تاریخ کے ہے آشکار　　باوفا جس شاہ کے تھے اہلکار
قابلیت شاہ میں تھی یا نہ تھی　　تھی ترقی سلطنت میں ہر گھڑی
برخلاف اِسکے جو تھے شہ ہوشیار　　رزم میں بھی بزم میں بھی مردکار
پر نہ تھے نوکر وفادار اور عقیل　　سلطنت ہوتی گئی ہر دم ذلیل

حکایت (۲۶)

ایک شیر اک بھیڑیا اک لومڑی　　مل کے تینوں نے تلاشِ صید کی
دوڑنے تینوں لگے میدان میں　　اور نکل کوسوں گئے اک آن میں
کھونڈالے ملکے سب نے بن کے بن　　لگ گیا ہاتھ اُنکے آخر اِک ہرن
بعد ازیں خرگوش مارا شیر نے　　روجھ بھی پھر اک پچھاڑا شیر نے
کر چکا جب تین جانوں کا شکار　　تین بے کس ناتوانوں کا شکار
بھیڑیئے سے شیر نے پھر یہ کہا　　امتحاں ہے آج تیری عقل کا

تجھ میں دیکھیں ہے سلیقہ کسقدر — سوچ کر اِس صید کو تقسیم کر
شیر کا ارشاد سُنکر بھیڑیا — دست بستہ عرض یوں کرنے لگا
نیل گائے تو ابھی کھائیں حضور — اور ہرن بندے کو دلوائیں حضور
رہ گیا خرگوش باقی اے جناب — لومڑی کو وہ عطا کیجے شتاب
خیرہ چشمی بھیڑیئے کی دیکھکر — آگیا غیظ و غضب میں شیر نر
بھیڑیئے کے مُنہ پہ اک تھپڑ دیا — سر کیا اُس کا وہیں تن سے جدا
یہ کہا اے بے ادب اے بدتمیز — ہے ادب بھی تو کوئی آخر کو چیز
پھر کہا روباہ سے تقسیم کر — عقل ہے دیکھوں میں تجھ میں کسقدر
لومڑی نے عجز سے سجدہ کیا — اور جواب اُسکو ادب سے یوں دیا
نیل گائے تو ابھی کھالیں حضور — رات کو کھائیں یہ آہو بالضرور
بھوک گر معلوم ہو بیچ میں — نقل پھر خرگوش کا فوراً کریں
شیر سُنکر خوش ہوا اور یہ کہا — کس سے سیکھا طور یہ تقسیم کا
عرض کی ہاتھ اُسنے فوراً باندھکر — بھیڑیئے سے میں نے یہ سیکھا ہنر
عرض کرکے یہ سیانی لومڑی — جھٹ ادب کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی
یہ ادب اور یہ سلیقہ دیکھکر — شیر اُس سے ہو گیا خوش اِسقدر
دیدیئے اُسکو ہی وہ تینوں شکار — اور کہا ہم خیر لیں گے اَور مار
بچ کے آئی شیر سے جب لومڑی — سجدۂ خالق میں فوراً گر پڑی

اور کہا سو شکر اے پروردگار	ق	ہے مرا زندوں میں جو اُب تک شمار
پہلے ہوتا بھیڑیئے سے حکم اگر		سر مرا تن پر نہ آتا اب نظر

نتیجہ (۱)

ہے خدا کا شکر آخر وقت میں		اُس نے دنیا میں کیا پیدا ہمیں
تاکہ جو گزرے ہیں اگلوں پر عذاب		اُن سے لیں عبرت نہ ہوں ہم خود خراب
اُمّتِ مرحوم پایا ہے لقب		ہے یہی اِس کا بڑا سب سے سبب

نتیجہ (۲)

سر کے بل اَوروں کو گرتا دیکھ کر		پھر بھی گر سنبھلے نہ کوئی بے خبر
وہ نہیں انسان ہرگز اے عزیز		عقل سے خارج ہے بالکل بے تمیز

نتیجہ (۳)

خود غرض محروم رہتا ہے مدام		بے غرض کے خود بخود بنتے ہیں کام
خود غرض ہوتا ہے نیت کا فقیر		اِس لیے رہتا ہے نظروں میں حقیر
بے غرض کا اُس کی نیت کے سبب		جس جگہ جاتا ہے ہوتا ہے ادب

حکایت (۲۷)

ایک عاشق نے درِ معشوق پر		دیکے دستک دی صدا ہاں کھول در
پوچھا اندر سے کہ در پر کون ہے		عرض کی ہوں در پہ میں اے نیک پے

در پہ حاضر ہوں بچشم اشکبار
ناخریدہ ہوں غلام جاں نثار

سن کے یہ معشوق نے اُس سے کہا
خام ہے اب پختہ ہو کے پھر تو آ

تجھ میں باقی ہے ابھی "میں" کا غرور
کامیابی کی ابھی منزل ہے دور

خام ہونے کی نشانی ہے یہی
تیرے سر میں ہے ابھی کبر و منی

کچھ دنوں اور آتش ہجراں میں جل
اب تلک رسّی جلی ہے اور نہ بل

الغرض اک سال وہ حیران و زار
ہجر میں بھٹکا پھرا لیل و نہار

پختہ ہو کر جب پھرا دل سوختہ
آ ہوا حاضر مگر لب دوختہ

آ کے دستک دی نہایت شوق سے
کون ہے در پر؟ کہا معشوق نے

سن کے اُس نے عرض کی جانِ جہاں
تو ہی ہے خود غیر ہے اس جا کہاں°

° پھر کہا معشوق نے اے مرحبا + گھر ہے تیرا شوق سے اب اسمیں آ
فرق اب کچھ مجھ میں اور تجھ میں نہیں + آفریں ہمت پہ تیری آفریں

فائدہ

ہے یہی بس حال حبِّ قوم کا
قوم میں اپنے تئیں پہلے مٹا

بوالہوس ہوتا نہیں فانیٔ قوم
کب ہو کتا پیٹ کا بانیٔ قوم

فکر ہے گر قوم کی اصلاح کی
چھوڑ کے تن پروری کر تن دہی

کام ہے کرنا اگر کچھ قوم کا
فائدہ تو بیچ میں اپنا نہ لا

ہو غرض اسکی نہ گر کچھ درمیاں
آدمی بھی ہے فرشتہ بیگماں

تیز ہو جاتے ہیں اسکے سب حواس
اور ناکامی نہیں آتی ہے پاس

اس کے بالعکس آزمایا بار بار
کرتی ہے خود مطلبی انساں کو خوار

بات سیدھی سوجھتی اسکو نہیں
قوم کا کرتا نہیں وہ بھی یقیں

لاکھ تدبیریں کرے حیلے ہزار — قوم کرتی ہے نہ اُسکا اعتبار
ایک نکتہ یاں بتاتا ہوں تجھے — اور پھسلن سے بچاتا ہوں تجھے
ہے مقام خوفناک اور سخت یہ — سینکڑوں کو کھا گیا بدبخت یہ
اہلِ دعوے یہاں پھسلتے ہیں بہت — گر کے پیچھے ہاتھ ملتے ہیں بہت
قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھا — نوجواں کرتا ہے ظاہر وَلولا
قوم کی اصلاح میں وہ پرشعور — کچھ دنوں کرتا نہیں ہرگز قصور
رات اور دن کو بنا دیتا ہے ایک — ق — چین سے سوتا نہیں۔ ہرگز ولیک
یک بیک شیطان اُسکے نفس کا — ڈالتا ہے اُسکے دل میں وسوسا
میں کھپاؤں جان اپنی روز و شب — میرِ مجلس دوسرا ہو۔ ہی غضب
قول یہ سچا ہو گو اے رمز بیں — پر فنا فے القوم کے شایاں نہیں
اِس سے یہ مفہوم ہوتا ہے عیاں — اِس سے مِلتا ہے بظاہر یہ نشاں
اپنے مطلب کے لیے کوشش تھی سب — قوم کا تھا سب بہانہ اور سبب
یاد رکھ! لیکن کہ ایسے آدمی — خلق میں عزت نہیں پاتے کبھی
قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں وہ — داغِ حسرت ساتھ لیجاتے ہیں وہ
حسبۃً للہ کیا جس نے عمل — رائیگاں جاتا نہیں ہے اُسکا پھل
خالصاً للہ رکھ نیت مدام — ہیں طفیلی اُس کے عزت اور نام
خود بخود آجائیں گی یہ بے طلب — بات کیوں کھوتا ہی اپنی بے سبب

کام ہوگا گر ترا بے عیب و لوم	خود بخود بن جائے گا سردار قوم

حکایت (۲۸)

عیسیٰ روح خدا سے یہ سوال	ایک دانا نے کیا اے باکمال
سب سے بڑھ کر خوفناک اور سخت شئے	کون سی اس عالم ہستی میں ہے
یوں ہوئے گوہر فشاں وہ پاک لب	سخت تر ہے سب سے خالق کا غضب
عرض کی اُسنے کہ یہ بالکل بجا	اُس سے بچنے کی مگر تدبیر کیا
یہ دیا سُن کر مسیحا نے جواب	یاد کر کے قہر کا اُس کے عذاب
ہو نہ غصے اُن پہ جو محکوم ہیں	کر نہ ظلم اُنپر جو خود مظلوم ہیں
غصہ اپنا تو اگر پی جائے گا	اُس کی رحمت میں جگہ تو پائے گا

اسی مطلب کی حکایت (۲۹)

متفق ہیں اسپہ کل اہل سیر	ایک دن زہرا کا وہ لخت جگر
فاطمہ کا سب سے پہلا لاڈلا	باپ اور نانا کے نازوں کا پلا
رحمت عالم کے کندھے کا سوار	رابع آل عبا عالی تبار
وہ امیر المؤمنین فخر زمن	پاک دیں اور پاک جاں یعنی حسن
کھا رہے تھے ساتھ لوگوں کے طعام	شوربے کا بادیہ لایا غلام

اتفاقاً کھائی ٹھوکر گر پڑا
آپ کے کپڑوں کو آلودہ کیا

حضرتِ شبر نے دیکھا گھور کر
ازرہِ تادیب کی اُس پر نظر

کانپتا تھا وہ نہایت خوف سے
یاد آئی آیت قرآن اُسے

کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ جب اُس نے کہا
آپ بولے میں نے غصہ پی لیا

لفظ عَافِیْنَ زباں سے جب پڑھا
یہ کہا بخشش دی تیری خطا

جب کہا اُس نے یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ
کر دیا آزاد بھی اُس کو وہیں

نتیجہ

غصہ جو کھاتے ہیں مردانِ خدا
عاصیوں کی عفو کرتے ہیں خطا

پیار کرتا ہے اُنھیں ربِّ غفور
بخش دیتا ہے سبھی اُنکے قصور

حکایت (۳۰)

پہلے وقتوں میں کبھی اک شخص تھا
نیک مرد اور صاحبِ علم و حیا

رات تھی تاریک اور پچھلا پہر
گھر میں سوتا تھا وہ اپنے بے خبر

آہٹ آئی ناگہاں اک کان میں
جیسے پھرتا ہے کوئی دالان میں

آنکھ کھولی تو یہ دیکھا چور ہے
چاہتا ہے وہ اُٹھائے کوئی شئے

اُٹھ کے بستر سے بہادر نے جھپٹ
چور کو پکڑا۔ گیا اُسکو لپٹ

زور اپنا سب لگایا چور نے
اُس سے دامن کو چھڑایا چور نے

آگے آگے چور پیچھے وہ دواں	تھک گئے جب خوب ہی دونوں جواں
چور کو۔ انجام قابو میں کیا	پکڑی گردن اور آگے دھر لیا
دیکھ کر یہ حالت اپنے دوست کی	چور کے ساتھی نے یہ آواز دی
جلد آ اے مرد یاں دو چور ہیں	میں اکیلا اور وہ شہ زور ہیں
ڈر گیا سُنکر کہیں ایسا نہ ہو	مار ڈالیں وہ زن و فرزند کو
چور کو چھوڑا وہیں اور پھر جواں	جانب خانہ ہوا واپس رواں
جب وہاں اُس شخص کو دیکھا کھڑا	اُس سے پوچھا چور ہیں کس جا بتا
چور تو۔ بولا۔ نہیں موجود یاں	ہیں زمیں پر اُنکے پاؤں کے نشاں
چور میں نے آنکھ سے دیکھے نہیں	اِن نشانوں سے مگر ہے یہ یقیں
چوریاں دونوں ابھی موجود تھے	اب خدا جانے کدھر کو چل دیئے
آؤ ہم دونوں کریں کوشش ذرا	اب لگا لیتے ہیں چوروں کا پتا
سُن کے یہ غصہ ہوا مردِ عقیل	اِس طرح کرنے لگا دل میں دلیل
یا تو تو ہی چور ہے اے فیلسوف	ورنہ ہے حد سے زیادہ بیوقوف
یہ نشاں جو تو دکھاتا ہے مجھے	کچھ تو ہیں اُنمیں سے میرے پاؤں کے
اور کچھ اُس چور کے ہیں نقشِ پا	جس کو تو نے مجھ سے کروایا رہا
کچھ نہ بولا رہ گیا دم مار کر	کیونکہ اپنی ہی خطا تھی سر بسر

نتیجہ

چھوڑ کر آدھی کو ساری پر نہ جا ہاتھ سے آدھی بھی اپنے کھوئیگا
ایک چڑیا ہاتھ میں اے ناسپاس اُس سے بہتر گر ہوا میں ہوں پچاس

اِسی مطلب کی حکایت (۱۳۱)

پالا دُنبہ اک جواں نے شوق سے ساتھ اپنے اُسکو پھرتا تھا لیئے
اِس قدر مانوس وہ حیوان تھا نے رسن تھا پیچھے پیچھے دوڑتا
ایک دن بازار میں وہ نوجواں جا رہا تھا۔ پیچھے دُنبہ تھا دواں
جا رہا تھا اپنی دُھن میں بے خبر اِک اُچکے کی پڑی اُسپر نظر
لے اُڑا دُنبے کو تو وہ بے حیا مُنہ اُٹھائے سادہ دِل چلتا رہا
مڑ کے جب ناداں نے دیکھا ناگہاں تو وہاں پر تھا بھلا دُنبہ کہاں
ہر جگہ کرنے لگا اُس کی تلاش مل گیا اِک چاہ پر وہ بدمعاش
اُس کو آتے دیکھکر حیلہ کیا دُھوکا اُس احمق کو پھر اُسنے دیا
لگ گیا رونے وہ ایسا زار زار بندھ گیا تھا ہچکیوں کا ایک تار
نوجواں نے چور کا دیکھا یہ حال یہ نہ سمجھا یہ بھی ہے اک اُسکی چال
رحم آیا اُسکو اُسکے حال پر اُس سے پوچھا مشفقا کیا ہے خبر
تجھ پہ کیا ایسی مصیبت آپڑی باندھ دی تو نے جو اشکوں کی جھڑی
یہ کہا۔ میں کیا کہوں اے حق شناس ایک ہمیانی تھی زر کی میرے پاس

عمر بھر کی کل کمائی تھی یہی
پشت سے کھلکر کنوئیں میں گر پڑی

پانسو دینار اُس میں نقد تھے
سب کے سب اک آن میں جاتے رہے

کوئی غوطہ زن نکالے اُس کو گر
اُسمیں سے دیدونگا اُسکو نصف زر

آگیا لالچ میں یہ سُن کے جواں
گفتگو دل میں لگا کرنے جواں

بعد مُدت کے مری قسمت کھلی
ایک کی جا مل گئے دُونے کئی

جفت پاپوش اور کپڑوں کو اُتار
چاہ میں اُترا ہوا مصروف کار

یہ تو اب تک چاہ کے اندر رہا
پاکے موقع چور سب کچھ لے اُڑا

حکایت (۳۲)

ایک بہرہ سے کسی نے یہ کہا
سخت ہے بیمار ہمسایہ ترا

جا عیادت کے لیئے اے نیک پے
پوچھنا بیمار کا مسنون ہے

یہ کہا اُس نے کہ وہ بیمار ہے
اونچا سُننے کا مجھے آزار ہے

سمجھوں گا کیونکر بھلا میں اُسکی بات
پیش آئیں گی بہت ہی مشکلات

پھر کہا دل میں کہ کچھ پروا نہیں
مجکو بہکاتا ہے شیطانِ لعیں

ڈالتا ہے دل میں صد ہا وسوسے
گر ارادہ کوئی نیکی کا کرے

ہے عیادت کی مقرر بات چیت
خوب ہے معلوم مجکو رسم و ریت

الغرض بہرہ گیا بیمار پاس
جا کے بیٹھا سامنے اُسکے اُداس

دیکھکر بہرہ کو گرمِ التفات
اِس طرح - بیمار نے کی اُس سے بات

کیا کہوں اے مہرباں مرتا ہُوں میں
ہیں جو باقی چند دم بھرتا ہُوں میں

بہرہ یہ سمجھا کہ اُس نے یہ کہا
اچھّا ہوں اب شکر ہے اللہ کا

بہرہ نے دونوں اُٹھائے اپنے ہاتھ
یوں دعا کرنے لگا زاری کے ساتھ

شکر ہے تیرا خدائے ذوالجلال
دوست کا اپنے یہ دیکھا آکے حال

ہو زیادہ اِس سے اے قادرِ کریم
میں ہوں خیر اندیش اِس کا اِک قدیم

اپنے حق میں سُن کے ایسی بد دعا
وہ مریضِ زار جھنجلانے لگا

پھر یہ پوچھا تم دوا کھاتے ہو کیا
ہے مرض کے واسطے لازم دوا

مُنہ بنا کر اور نہایت غیظ سے
زہر کھاتا ہوں کہا بیمار نے

بولا بہرہ یہ تو اعجوبہ ہے شئے
علم طب میں مجکو بھی کچھ دخل ہے

لکھتے آئے ہیں اطبائے سلف
اِس مرض میں یہ دوا تیرِ ہدف

پھر یہ پوچھا ہے معالج کون سا
آج کل کرتے ہو تم کِس کی دوا

دل میں اپنے جل کے بولا وہ غریب
ہے فرشتہ موت کا میرا طبیب

بہرہ بولا ہو مبارک یہ حکیم
ہے بڑا حاذق نہایت ہی فہیم

اِس سے بڑھکر شہر میں کوئی نہیں
ہاتھ میں اُس کے شفا ہی بالیقیں

میں اُسی کے پاس سے آتا ہوں اب
حال تیرا اُس سے کہہ آیا ہوں سب

اِک نصیحت میں بھی کرتا ہوں مگر
تم طبیبوں کے نہ پھر نا در بدر

اُس کا دامن اب نہ ہرگز چھوڑنا	اُس کے دروازہ سے مت مُنہ موڑنا

نتیجہ

ایسے عابد اِس جہاں میں کم نہیں	جنتی ہونے کا ہے جن کو یقیں
بدعتوں سے پُر عبادت اُنکی ہے	سب ریا اور زور طاعت اُنکی ہے
بے وقوفوں کو نہیں معلوم آہ	یہ عبادت اُنکی ہے خالص گناہ
ہیں وہ بہرہ کی طرح دھوکہ میں سب	رحمتوں کی جائے دیکھینگے غضب

آدابِ عیادت

کر عیادت دوست کی اے خوش صفات	یاد رکھ اُس وقت لیکن ایک بات
بول آہستہ۔ سمجھ بالکل حرام	چند لحظوں سے زیادہ واں قیام
اُنس تجھ سے ہو اگر بیمار کو	اور وہ خواہش کرے بیٹھا رہو
دے تشفی اور دل اُس کا بڑھا	یہ عیادت دیتی ہے کارِ دوا
گر ترے جانے سے بیماری بڑھی	وہ عیادت ہی عداوت سے بُری

لطیفہ

ذکر ہے کوئی عیادت کے لیئے	جا کے بیٹھا پاس اک بیمار کے
جم کے بیٹھا اِس قدر مردِ فضول	ہو گیا بیمار وہ آخر ملول
باتوں باتوں میں کہیں اُسنے کہا	پوچھنے والوں سے میں دِق ہو گیا
سادہ لوحی سے وہ بولا بے خبر	اُٹھ کے کردوں بند کیا زنجیرِ در

بولا وہ بیمار ہاں بہرِ خدا	میں بہت ممنون ہوں گا آپ کا
اور کرو زنجیر گر باہر کی بند	آپ کا احسان ہو مجھ پر دوچند

حکایت (۳۳)

مصر میں تھے اک وُلی ذو النّون نام	قطبِ دوراں وقت کے اپنے امام
دل میں اُن کے شور اُٹھا ایک بار	کردیا اپنا گریباں تار تار
خانقہ اور مدرسہ کو چھوڑ کر	خرقہ اور تسبیح سے مُنہ موڑ کر
پھینکا عمامہ کیا جُبّہ کو شق	جانب بازار نکلا مردِ حق
اُسکے شور ہائے وہو سے ناشناس	آ گئے تنگ اور گئے حاکم کے پاس
حکم حاکم نے بمجبوری دیا	اور روانہ قید خانے کو کیا
قید خانے لے چلے ناقدرداں	آگے آگے ہو لیا وہ کم زباں
پیچھے پیچھے اُسکے شاگرد اور مرید	اشک برساتے تھے ہو کے ناامید
دوست اُسکے سب کے پیچھے چلے	گفتگو آپس میں یوں کرتے چلے
ہے بھلا ممکن کہ یہ شہبازِ دیں	یوں قفس میں بیکسی کے ہو مکیں
حاشا للہ یہ ولیئے باکمال	اور پڑے اِس پر جنوں کا یوں اِبال
ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کچھ راز ہے	خلق سے چھٹنے کا سب انداز ہے
کچھ کرو اسکی خوشامد کچھ نیاز	آؤ چل کے اِس سے پوچھیں کیا ہے راز

جو جری اُنہیں سے تھے اور مُنہ چڑھے	جمع ہو کر بے ادب آگے بڑھے
ڈانٹا اُن کو دور سے ذوالنون نے	کیوں چلے آتے ہو یوں مجنون سے
بولے وہ اے اہلِ دل کے مقتدا	دوست ہیں ہم سے نہ راز اپنا چھپا
ہم ترے صادق محب اور یار ہیں	اِس تری حالت سے دل افگار ہیں
کچھ تو کہہ جس سے تشفی ہو ہمیں	کچھ اشارہ کر تسلی ہو ہمیں
دل میں سوچا پا گئے یہ راز کو	چاہتے ہیں پھر پھنساویں باز کو
دوستی کا اُن کی لوں اب امتحاں	تا ملے صحبت سے اُن کی کچھ اماں
ایک کے ڈھیلا کیا ایسا رسید	اپنی جاں سے ہو گیا وہ نا امید
دوسرے کی پشت پر لاٹھی کسی	جانکنی کی اُس کی حالت ہو گئی
تیسرے کے لات ماری ران پر	بھاگ اُٹھے سب کے سب یہ دیکھکر
بھاگ اُٹھے سب کے سب وہ خوف سے	قہقہا تب مار کر ذوالنوں ہنسے
سر ہلا کر حاضریں سے یہ کہا	دوست ہیں یہ وہ جو تھے مجھپر فدا
اِن کی الفت اور وفا کو دیکھنا	اِن کی وحشت اور دغا کو دیکھنا

نتیجہ

کھُلتی ہے زر کی حقیقت آگ سے	دوست کی اُسوقت جب بپتا پڑے

وقت پر جو کام آئے دوست ہے
دوستی کو جو نبھائے دوست ہے

حکایت (۴۴)

پیش آیا ایک صوفی کو سفر — چل پڑا گھر سے گدھے پر بیٹھکر
شہر میں پہنچا۔ بچھاکر بوریا — خانقہ میں شہر کی ڈیرہ کیا
خوب مالش کی گدھے کی باندھکے — چارہ اور دانہ کھلایا خوب اُسے
خانقاہ کے پاسبانوں سے کہا — اِس گدھے کی بھی خبر رکھنا ذرا
صوفیانِ خانقہ خوشباش تھے — تھے بڑے فیاض پر قلاش تھے
تھے وہ اخوان الصفا طینت کے پاک — وارد و صادر سے کرتے تھے تپاک
آپا دھاپی کو سمجھتے تھے بُرا — صاف دل تھے۔ اِس قدر ایثار تھا
مال سے اپنے نہ کرتے کچھ دریغ — ہُوئے دوئی بہرِ اُخوّت تیز تیغ
اِس مبارک مسئلہ پر کر عمل — اِسکی وسعت میں نہ سمجھے کچھ خلل
بیچ کر خر کو وہ لائے ما حضر — خوب دعوت میں دکھائی کرّ و فر
پر نہ سمجھے مال ہے۔ مہمان کا — چوری بھی کرتا ہے پاس اِس شان کا
شب کو کی اک بزم حال و قال کی — کودنے میں کی نہ یاروں نے کمی
وجد کا ایسا ہوا بازار گرم — تھے جو منکر دل ہوئے اُنکے بھی نرم
خانقہ کے شیخ نے وقتِ سحر — جب پڑی مہمان پر اُسکی نظر
نعرہ مارا اور کہا باآہ گرم تفت — "خر برفت و خر برفت و خر برفت"

سُن کے یہ مصرع زبانِ شیخ سے / جس قدر صوفی تھے سب رونے لگے
سمجھے یہ مطرب کہ کوئی رمز ہے / جس پہ روتے ہیں یہ صوفی نیک پے
زور اُس مصرع پر اُن سب نے دیا / خر برفت و خر کا غوغا پڑ گیا
دوسرے دن کو اُس نے جب کہتے سُنا / مالکِ خر بھی یہی کہنے لگا
صبح کو مجلس ہوئی برخاست جب / چل دیئے گھر اپنے صوفی سب کے سب
صوفیٔ سادہ دل و بحرِ صفا / جانبِ اصطبل زیں لیکر چلا
جا کے دیکھا تو۔ گدھا پایا نہ واں / مل گیا آخر کہیں وہ پاسباں
پوچھا اُس سے تو نگہبان تھا۔ بتا / ہے گدھا میرا کہاں دے کچھ پتا
کہہ سنایا ماجرا خادم نے جب / روزِ روشن ہوگئی صوفی پہ شب
سرزنش کر کے کہا اے بے شعور / کی دغا مہمان سے تو نے ضرور
عرض کی خادم نے سُنیئے تو ذرا / کچھ نہیں اس امر میں میری خطا
آنکھ جو کھولی تو تھے صوفی کھڑے / میرے سر پر لاٹھیاں تانے ہوئے
حال یہ تھا میں تو خود مجبور تھا / روکتا۔ کیا یہ مرا مقدور تھا
یہ کہا صوفی نے خوش قسمت وہ تھے / اس طرح ہاتھوں سے میرے بچ گئے
وقت پر آکے نہ تُو نے دی خبر / کیسے لیتا دیکھتے اُن کی خبر
عرض کی اُس نے کہ کیا شک ہے مگر / ڈال آئے مجکو مشکیں باندھکر
رات تھوڑی سی جو باقی رہ گئی / ایک نے آکر رہائی مجکو دی

فورًا آیا میں کہ دوں تجھکو خبر	وجد میں بے ہوش تھا تو بھی مگر
تو بھی سب کے ساتھ تھا وہاں ناچتا	خر برفت و خر زباں پر تیری تھا
میں تو یہ سمجھا کہ ہے آگاہ تو	فائدہ کہنے سے کیا ہے روبرو
بولے صوفی جی کہ ہاں یاد آگیا	فقرہ یہ بیشک زباں پر میری تھا
مجھ کو کیا معلوم تھا یہ مسخرے	پڑھ رہے ہیں سب یہ مصرع طنز سے
میں یہ سمجھا یہ بھی ہو گی کوئی بات	جیسے ہوتے ہیں تصوف کے نکات
جاہلوں کی میں نے جو تقلید کی	اُس کا پھل پایا خطا میری ہی تھی
ہو خدا کی لعنت اس تقلید پر	جاہلوں کی پیروی پر خاصکر

فائدہ

سچ ہے یہ تقلید سے چارہ کہاں	ہو محقق ہر کوئی یارا کہاں
کام بے تقلید کے چلتا نہیں	یہ مگر تقلید کا منشا نہیں
عقل کو اور آنکھ کو اور کان کو	کام میں لائے نہ ایسا سست ہو
جہل سے تقلید پر ایسا اڑے	بن کے نابینا کنوئیں میں جا پڑے
حسب طاقت ہر جگہ تحقیق کر	ورنہ تکیہ کر تو پھر تقلید پر

حکایت (۳۵)

کہتے ہیں لقماں بہت بدشکل تھا	حُسن سے اُس کو نہ تھا حصہ ملا

عقل تھی روشن سیہ تھا گرچہ رنگ
تھا نہاں آئینہ گویا زیر زنگ

اُس زمانے کا یہی دستور تھا
اور یہی ہے اِس غلامی کی بنا

ہو کے جو آتے لڑائی میں اسیر
خواہ وہ ہوتے جواں اور خواہ پیر

سب کے سب فاتح کے ہوتے تھے غلام
ہوتی تھی بیع اُن کی بازاروں میں عام

شامتِ تقدیر سے لقمان بھی
ہو گیا قید اک لڑائی میں کبھی

بِکتا بِکتا آیا اِک تاجر کے پاس
تھا یہ آقا اُس کا گو مردم شناس

پر نہ تھا علم اُسکو وہ مجبور تھا
لیتا تھا کام اُس سے وہ مزدور کا

کام میں گارتے کے رکھتا تھا اُسے
تھا نہ واقف اُسکے علم و عقل سے

اُسنے بھیجے باغ میں اِک دن غلام
تا کہ لائیں میوہ چُنکر وہ تمام

نصف میوہ کھا گئے وہ بے حیا
نام آکر لے دیا لقمان کا

غصّے ہو کر سرزنش آقا نے کی
بولا لقماں عرض اِک سُنیئے مری

یہ تو لگ سکتا ہے فوراً ہی پتا
فی الحقیقت کی ہے کس نے یہ خطا

پانی میں لہسن کی پوتھی دیجے ڈال
آگ پر رکھیئے کہ آ جائے اُبال

گرم پانی سب کو وہ پلوایئے
ایک گھنٹہ کھیت میں بھگوایئے

جس نے کھایا ہو گا میوہ آپ ہی
قے کے رستے ڈال دیگا وہ ابھی

تب کہا آقا نے کچھ مشکل نہیں
ٹھیرو میں لہسن منگاتا ہوں یہیں

پیس کر لہسن دیا پانی مِلا
گرم کر کے وہ دیا سب کو پلا

ختم کر کے دوڑ سے کرنے لگے		میوہ جو نکلا تو سب ڈرنے لگے
پیٹ سے لقماں کے نکلا محض آب		یہ کیا آقا نے جب اُس سے خطاب
میں نے تیری قدر جو اَب تک نہ کی		اس میں میری کچھ خطا ہرگز نہ تھی
ذہن میں میرے نہ آیا یہ خیال		دل میں خارا کے ہوا کرتا ہے لال
کرتا ہوں تیرے سپرد اے نیکنام		آج سے کُل گھر کا اپنے انتظام
تو سیہ کر چاہے اور چاہے سفید		اب نہیں میری طرف سے کوئی قید

نتیجہ

حق سے پوشیدہ نہیں ہیں تیرے عیب		کیونکہ وہ خلاق ہے دانائے غیب
ہے کرم۔ رسوا جو وہ کرتا نہیں		ظاہراً الزام کچھ دھرتا نہیں

حکایت (۳۶)

جڑ میں اک دیوار کے بیٹھا ہوا		نقب دیتا رات کو اِک چور تھا
صاحب خانہ کسی دُکھ درد سے	ق	جاگتا تھا چھت سے نیچے جھانک کے
یُوں لگا کہنے کہ اے قبلہ سلام		سچ کہو حضرت یہ کیا کرتے ہو کام
خیر ہے؟ اب رات ہی آدھی گئی		گزری ہیں آدھی یہ بھی گھڑیاں گئی
خاک پر بیٹھے ہو اور ننگا ہے سر		ہے نہ گرمی کی نہ سردی کی خبر
تم مجھے یہ تو بتا دو! کون ہو؟		کس لیئے کرتے ہو یہ کھٹ کھٹ کھو

چور نے جانا کہ ہے احمق کوئی	سر اُٹھا کر یہ کہا جی بندگی
ڈھول والا ہوں بجاتا ہوں میں ڈھول	سو رہو تم جانو کیا صابن کا مول
اُس نے پوچھا ہے حقیقت گر یہی	کیوں نہیں آواز آتی ڈھول کی
ہنس دیا اور یہ دیا اُس نے جواب	ہے مرے اِس ڈھول کا اُلٹا حساب
اب بجاتا ہوں مگر اِس کی صدا	صبح کو تم سب سنو گے برملا
جب چلا جاؤں گا میں اے نیک خو	ڈھول کی ڈھوں ڈھوں سنو گے کو بکو

تشریح

چور شیطاں آدمی دیوار ہے	نفس احمق سائل بیمار ہے
کہتا ہے شیطاں بآوازِ دُہل	کھود پھینکوں گا تری بنیاد کل
پر یہ انساں ہی عجب بیہوش ہے	روئی دے کر کان میں خاموش ہے
خواہ کتنی ہی لگائیں ٹھوکریں	ہوش میں لانے کی تدبیریں کریں
پر یہ غافل لیتا ہے کروٹ کہیں	آنکھ کھولے ایک دم ممکن نہیں
مکر شیطاں سے ہی یہ عاجز زبوں	کان پر اِس کے نہیں چلتی ہے جوں
نشۂ غفلت میں بالکل چُور ہے	اور شرابِ لہو سے مخمور ہے
وقت پیری ہوش آئے گا ذرا	ڈھول کی آئے گی کانوں میں صدا

پھر تأسف کیا بھلا آئے گا کام
کھیت چُگ جائینگی جب چڑیاں تمام

حکایت (۳۷)

تھی خلافت حضرت فاروق کی — آگ کہتے ہیں مدینہ میں لگی
آگ تھی وہ یا خدا کا قہر تھا — خشک و تر جو سامنے آیا جلا
جس گھڑی اپنا دکھاتی تھی وہ جوش — پتھر اور مٹی کو کر جاتی تھی نوش
جتنا استعمال پانی کا کیا — اُس قدر ہی آگ نے شعلہ دیا
آگ سے جب شہر آدھا جل گیا — پاس جس کے مال جو تھا جل گیا
اُس گھڑی حاضر ہوئے اصحاب سب — اور کہا آکر کہ اے فخرِ عرب
کر دعا تیری دعا ہوگی قبول — تو ولیِّ حق ہے اور یارِ رسول
آپ نے فرمایا یہ قہرِ خدا — بخل کی پاداش میں نازل ہُوا
دو یتیموں کو طعام اور نقد بھی — یوں نہیں یہ آگ بجھنے کی کبھی
یوں کہا سب نے امیر المؤمنیں — ہم سے بڑھکر خیر میں کوئی نہیں
بے محابا آپ نے سن کر کہا۔ — صرف کرتے تم نہیں بہرِ خدا
کرتے ہو خیرات بہرِ فخر و شان — ترس و تقویٰ کا نہیں جس میں نشاں

نتیجہ

نان دے تو گر خدا کیواسطے — جان دے تو گر خدا کیواسطے
رزق میں برکت ترے دہ چند ہو — روح بھی فردوس میں خرسند ہو

حکایت (۳۸)

کہتے ہیں تھا پوتڑوں کا اک امیر
تھی طبیعت میں زبس جود و سخا
چند ہی دن میں تلی آئی نکل
ترک کی اُسنے نہ خود داری ذرا
گھر میں ننگا بیٹھتا پر شام کو
سر پہ رکھتا اِک کلہ گوشہ شکن
کسر آنے دی نہ اُسنے شان میں
بھوک سے مرتا و لیکن کیا مجال
فاقے سے مرتا مگر ڈاڑھی چڑھا
دے گیا تھا ایک اُسکا ہمنشیں
چکنے کرتا ہونٹ اُس سے ہر سحر
موچھوں پر ملتا اُسے اور دیکے تاؤ
دوست اُس کے صاحبِ مقدور تھے
تھے وہ واقف اُسکے کُل احوال سے
چاہتے تھے کچھ سلوک اُس سے کریں

صاحبِ علم و حیا روشن ضمیر
ہاتھ میں اُسکے نہ اِک پیسہ رہا
جل گئی رسّی جلا لیکن نہ بل
ایک عرصہ تک بھرم باقی رہا
بیٹھتا مجلس لگا کر نام کو
اور کرتا شیروانی زیب تن
عطر کا پھوہا بھی رکھتا کان میں
ہو پڑوسی کو بھی کچھ معلوم حال
دیتا تھا موچھوں پہ تاؤ خوب سا
دنبہ کی چکتی کا اک ٹکڑا کہیں
کھایا ہے گویا کہ کھانا تر بتر
باہر آ کے کہتا کھایا ہے پلاؤ
دوست پرور جو بہت مشہور تھے
منتظر تھے تا اشارہ کچھ کرے
تھے مگر موقع کی وہ سب فکر میں

ناگہاں اِک شام کو پیشِ محل | کر رہے تھے بیٹھے آپس میں چہل
گھر سے آیا ایک لڑکا بھاگتا | اور یہ بولا سنو ابّا ذرا
روز جس سے تر کیا کرتے جناب | ہونٹوں کو اور موچھوں کو دیتے تھے تاب
اُس کو بلّی لے گئی افسوس ہے | آئے گی کس کام بلّی کے وہ شئے
جب سُنا بچّے سے یہ نادم ہوا | ٹالنے وہ آئیں بائیں میں لگا
مِلکے سب یاروں نے اُس سے یہ کہا | ٹالنے سے بات کے کیا فائدا
مشفقا اب پردہ داری چھوڑ دو | تا کریں ہم کچھ دوا ہے سم کہو
بولا وہ اب کھل گیا سارا بھرم | ہاتھ میں میرے نہیں ہے اک درم
مِلکے یاروں نے وہیں چندہ کیا | مال میں اپنے برابر کر لیا

نتیجہ

چھپ سکے کب دلمیں رنج سینہ سوز | راز ہو سب طشت از بام ایک روز
پیٹ خالی چکنا مُنہ کب تک بھلا | ہائے کہہ اُٹھتا ہے آخر مبتلا
جھوٹی شیخی اور ریا کا بھی یہی | حال ہے۔ اِن سے تو کر پہلو تہی
ظاہر اور باطن کو اپنے ایک کر | ورنہ نادم ہوگا تو اے بے خبر

حکایت (۳۹)

چینیوں اور رومیوں میں ایک بار | بحث تھی۔ ہر کوئی بڑھکر دستکار

کہتے تھے چینی کہ نقاشی میں ہم
رومیوں کو تھا یہ دعوےٰ اُنکے ساتھ
ٹھیری یہ تجویز دیواریں ہوں دو
ایک پر چینی کریں نقش و نگار
درمیاں میں ایسا پردہ ہو پڑا
رنگ و روغن سیکڑوں کو دام سے
دل لگا کر کام اُنھوں نے وہ کیا
رنگ آمیزی خصوصًا سحر تھی
رومیوں نے کچھ لیا روغن نہ رنگ
چینیوں کی دیکھکر کاریگری
پھر نظر کی رومیوں کے کام پر
تھا مرقع چینیوں کا ہُو بہُو
عکس بالکل چینیوں کے نقش کا
تھی صفائی چونکہ کچھ اُس میں زیاد

بڑھ کے ہیں سب سے کہ ہیں جادو قلم
ہے سبک اپنا زیادہ تم سے ہاتھ
بالمقابل وہ ملیں ایک ایک کو
دوسرے پر رومیانِ دستکار
دیکھنے پائے نہ اِک کو دوسرا
چینیوں نے اک مہینہ تک لیئے
بن گئی دیوار تختہ باغ کا
تھا مرقع یا کہوں اُس کو پری
پر ذرا دیوار پر چھوڑا نہ زنگ
عقل سب لوگوں کی حیراں رہگئی
پردہ جو اُٹھا تو یہ آیا نظر
فرق دونوں میں نہ تھا مقدار مو
دوسری دیوار پر ظاہر ہوا
دیکھ کر دینے لگے چینی بھی داد

تشریح

کر حسد کو باہر اپنے سینہ سے
دل کو کر تو صاف بُغض اور کینہ سے

ذکر حق سے قلب کی کر کے جِلا
عادتِ مذموم سے اُسکو بچا

اتقا گر ہے ولایت ہے یہی
اور بڑی سب سے کرامت ہے یہی

حکایت (۴۰)

اک جوانِ سادہ دل گلخوار (مٹی کھانے والا) تھا
اپنی عادت سے بہت ناچار تھا

ایک دِن عطّار کی دوکان پر
قند لینے جب گیا وقتِ سحر

یہ کہا عطّار نے مردِ جواں
قند سے تو دیکھ پُر ہے یہ دُکاں

مصر کی اور چین اور ہند کی
ہر طرح کی قند ہے ڈھیروں پڑی

قسم ہے موجود اعلیٰ اک سے ایک
صاف کہتا ہوں مگر اے مردِ نیک

بٹّے لوہے کے نہیں ہیں میرے پاس
پر نہیں کم بھی نہ کر دل میں ہراس

قند ہے درکار وہ بولا ہے مجھے
لوہے کے بٹّے ہوں چاہے خاک کے

دل میں لیکن یہ کہا مٹّی تری
ہے مرے نزدیک مصری کی ڈلی

رکھ کے اک پلڑے میں مٹّی کا ڈلا
جستجو میں وہ تبر کی لگ گیا

تاکہ ٹکڑہ قند کا دے کاٹ کے
جو مساوی وزن میں ہو باٹ کے

دھیان پا کے اِس طرف عطار کا
دل نہ قابو میں رہا گلخوار کا

بٹّے دانتوں سے کترنے وہ لگا
خاک سے دوزخ کو بھرنے وہ لگا

اور بچا کر آنکھ اِک چھوٹی ڈلی
جیب میں بھی توڑ کر فوراً دھری

دیکھتا عطار کن انکھیوں سے تھا
دل میں کہتا تھا کہ ہاں شیر اور بہا

تو نہ ڈر میں دل کا کچھ کھوٹا نہیں
اور چوری کر سب مجھے ٹوٹا نہیں

دیکھ لینے کا مِرے ڈر ہے تجھے
میں یہ ڈرتا ہوں کہیں تو کم نہ لے

نتیجہ

جال میں دانہ کو چڑیا دیکھ کر
دل میں خوش ہوتی ہے اپنے کس قدر

دانہ کہتا ہے ذرا آگے بڑھو
کھا کے دیکھو اور مزا اِس کا چکھو

نعمتیں دنیا کی جن میں ہیں مزے
تو نہیں کھاتا وہ کھاتی ہیں تجھے

ماؤں کو نصیحت

مٹی کھانا ہے جو اک عادت بُری
بچوں کو اکثر پڑ جاتی ہے یوں

ماں ہے گر اُسکی پھوہڑ اور بے تمیز
ہاتھ میں بچّہ کے دیکر کوئی چیز

کام میں مصروف ہو جاتی ہے آپ
پا کے فرصت جا کے سو جاتی ہے آپ

بچّہ کی عادت ہے جو شئے پائے گا
مُنہ کی جانب قدرتاً لیجائے گا

سوندھی اور خوشرنگ مٹی کی ڈلی
بچّہ کو معلوم ہوتی ہے بھلی

کھیلنے کو کوئی مٹی کی ڈلی
دیتی ہے وہ ہاتھ میں اُسکے کبھی

اِس قدر رغبت سے کھاتا ہے اُسے
جس جگہ ہو ڈھونڈھ لاتا ہے اُسے

چاہیئے ماں کو خبر لیتی رہے
کھیلنے بچّے کو مٹی سے نہ دے

ہو لڑکپن میں جو عادت استوار　　وہ نہیں جاتی کرو کوشش ہزار

حکایت (۴۱)

کہتے ہیں شیرِ خدا نے ایک بار　　ایک دشمن پر کیا خنجر کا وار
بھاگا ایسا زخم کھا کر پشت پر　　کی نہ مارے خوف کے پیچھے نظر
کب بھلا ممکن تھا کرکے کوئی چھل　　شیر کے پنجے سے یوں جائے نکل
کر تعاقب جا گرایا خاک پر　　تھے جدا کرنے کو تن سے اُسکا سر
ناگہاں اُس مشرکِ بے عقل نے　　چاند سے مکھڑے پہ تھوکا جہل سے
ہاتھ سے خنجر دیا حیدر نے چھوڑ　　مُنہ لیا اُس کافرِ بے دیں سے موڑ
چھوڑ کر اُس کو ہوئے یکسو کھڑے　　یہ کہا بخشا تجھے رہٹ جا پرے
درگزر تھی یہ خلافِ دابِ جنگ　　رہ گیا کافر کھڑا حیران و دنگ
دست بستہ عرض کی اے پُرکمال　　گر اجازت ہو کروں میں اک سوال
موت تھی میری شرارت کی سزا　　عفو میں مجھ کو بتا حکمت تھی کیا
سُن کر وہ ولیِ انس و جاں　　یوں ہوئے اپنی زباں سے دُرفشاں
تجھ سے مجھ کو تھی نہ ذاتی دشمنی　　تھی عداوت دل میں گر للہ تھی
مارتا اُسوقت میں تجھکو اگر　　نفس کہتا دل میں اپنے پھول کر
انتقام اُس سے لیا اچھا کیا　　تھوکنے کا اُس نے کچھ پایا مزا؟

مارتا تجھ کو اگر میں اس طرح	منہ دکھاتا پھر خدا کو کس طرح
شیر حق ہوں حق پہ ہے میرا یقیں	نفس کے کہنے پہ میں چلتا نہیں
دیکھکر اخلاص شاہ دین کا	مشرکِ بے دیں مسلماں ہو گیا
مرتضےٰؓ کا دیکھکر اخلاص تام	قوم اُس کی ہو گئی مومن تمام

نتیجہ

شیرِ حق سے لے سبق اخلاص کا	یوں ادا کرتے ہیں حق اخلاص کا
حلم کی تلوار کرتی ہے وہ کام	آکے کرتے ہیں رجوع اعدا تمام

حکایت (۴۲)

مرتضےٰؓ کے پاس آئی دوڑتی	ایک عورت ۔ اور بولی یا علیؓ
آپ ہیں مشکلکشا خیبر شکن	آپڑی مشکل ہے مجھپر اک کٹھن
ایک ہی بچہ ہے اے مولا مرا	جو نہیں اک سال سے ہرگز سوا
سی رہی تھی چھت پہ میں بیٹھی ہوئی	کھیلتا تھا بچہ میں مصروف تھی
ہو گئی تھی ہاں یونہی اک دم کی دم	اُس کی جانب سے توجہ میری کم
سچ ہے یہ تقدیر ہوتی ہے اٹل	پہنچا پرنالے پہ وہ گھٹنوں کے بل
اب اگر جاتی ہوں میں اُسکی طرف	ہے گماں غالب کہ گر کر ہو تلف
دودھ کا لالچ دیا میں نے بہت	تھا جو کچھ کرنا کیا میں نے بہت

پر وہ پرنالے سے ہٹتا ہی نہیں
جم گیا ہے صورتِ نقشِ نگیں

مسکراتا ہے مجھے وہ دیکھکر
بلّیوں میرا اُچھلتا ہے جگر

شاہِ مرداں نے بیاں اُسکا سُنا
یوں ہوئے پھر لب کشا مشکل کشا

اُس کا ہم سِن کوئی بچّہ ہو اگر
اور وہ بچّہ اُسے آئے نظر

جب کشش ہمجنس کی وہ پائیگا
فوراً اسکو دیکھکر ہٹ آئیگا

حکایت (۴۳)

ایک مشرک بادشہ کو خبط اُٹھا
دین عیسےٰ کا نشاں تک دے مٹا

آگ کی میداں میں اُسنے مشتعل
بُت کیا قائم اِک اُس کے متصل

اور کہا اُس بت کو جو سجدہ کرے
وہ رہا ہو ورنہ یہاں جل کر مرے

کتنے ہی نامرد ایمان چھوڑ کر
بت کو سجدہ کر گئے موذی سے ڈر

ایک عورت گود میں بچہ لیئے
سامنے جسوقت آئی آگ کے

بولی وہ یہ تو نہیں ہونا کبھی
میں کروں پتھر کے بُت کی بندگی

چھین کر بچّے کو ماں کی گود سے
آگ میں ڈالا جب اُس نمرود نے

جی ہوا بچّے کی ماں کا تب نڈھال
مامتا نے کر دیا مضطر کمال

بُت کے آگے تھی جھکانے کو وہ سر
بچّہ بولا دیکھ ماں ایسا نہ کر

جلد آ اے ماں نہ ایماں اپنا کھو
آگ میں ہیں یاسمن اور نازبو

مومنوں کے واسطے یہ باغ ہے
منکروں کے واسطے یہ داغ ہے

نام کو گرمی نہیں اس آگ میں ۔۔۔ اور نہیں سوزش کہیں اس آگ میں
آگ کیا ہے! یہ تو ہے باغِ خلیل ۔۔۔ اس میں ہیں موجود کوثر سلسبیل
تو بھی آ اور دوسروں کو ساتھ لا ۔۔۔ حق نے اس کو مجھ پہ گلشن کر دیا
آگ میں آ۔ دیکھ برہانِ خدا ۔۔۔ کیا مزے کرتے ہیں خاصانِ خدا
جا پڑی تب آگ میں وہ کود کر ۔۔۔ اور بولی اس طرح تفتہ جگر
جس کو آنا ہو وہ آئے بے درنگ ۔۔۔ اس جگہ ہے باغ کا سب رنگ ڈھنگ
مومنانِ پاک دین و خوش شعار ۔۔۔ آگ میں گھسنے لگے بے اختیار
دیکھ کر یہ حال وہ نادم ہوا ۔۔۔ آگ ہو کر آگ سے کہنے لگا
آگ؟ تیری خاصیت رہ کیا ہوئی ۔۔۔ سست کیوں ہے تجھ پہ کیا پٹکی پڑی
پوجتے ہیں تجھ کو ہم صدہا برس ۔۔۔ تو جلا دیتی ہے ہم کو مثلِ خس
یہ ترے منکر ہیں ان پر کیا سبب ۔۔۔ تجھ کو کچھ آتا نہیں غیظ و غضب
آگ نے اُس سے کہا اے فتنہ خیز ۔۔۔ اندر آ کر۔ دیکھ میں کیسی ہوں تیز
میں بھی ہوں بندی کسی کی یا نہیں ۔۔۔ اُس کے آگے میری چلتی ہے کہیں
دیکھی ہے کتیا کبھی دہقان کی ۔۔۔ ہوتی ہے جنگل میں کیسی کٹ کھنی
جب مگر ہوتا ہے آقا سامنے ۔۔۔ لوٹتی پاؤں میں ہے مہمان کے

بندگی میں میں نہیں کتیا سے کم
ہوں رضائے حق کی تابع لاجرم

نتیجہ

آگ پانی خاک بجلی اور ہوا
ابر و ماہ و مہر اور ارض و سما

ہیں مرے خالق کے یہ بندے تمام
حق کے ہیں نزدیک تا زندے تمام

تجھ کو جو بے جان آتے ہیں نظر
فرق ہے تیری نظر میں غور کر

حکایت (۴۴)

مچھروں نے جمع ہو کر باغ میں
مشورت کی اس ہوا کا کیا کریں

ٹکنے یہ دیتی نہیں ہم کو کہیں
اب کہاں ہو جائیں پیوندِ زمیں

گر فضا میں کھولتے ہیں جا کے پر
اور جُڑتے ہیں کبھی دس پانچ سر

کرتے ہیں سامان راگ و رقص کا
آ کے یہ بے رحم دیتی ہے اُڑا

مصلحت ٹھیری یہ بعد از قیل و قال
کیجئے پیشِ سلیماں عرضِ حال

حاضر آ کر سب ہوئے دربار میں
تا کہ عرضِ حال اپنا کچھ کریں

عرض کی مظلوم ہیں بیکس ہیں ہم
بڑھ گیا ہے حد سے ظالم کا ستم

رحم کے قابل ہمارا حال ہے
ظلم سے ظالم کے پتلا حال ہے

پنجۂ دشمن سے دے ہم کو نجات
ہم ہیں مردہ اور تو آبِ حیات

ہم ضعیف و زار دشمن ہے قوی
کر قوی بازو ہمارے اے نبیؑ

ہے تری تابع سبھی خلقِ خدا
رحم کر اور ظلم سے ہم کو بچا

دستگیری کر ترا ہاتھ اے کریم
ہاتھ ہے اللہ کا۔ ہم ہیں سقیم

سُن کے یہ نالش سلیماں نے کہا
کون ظالم ہے وہ ایسا بے حیا

ہے بھلا مقدور میرے خوف سے
ظلم کوئی بھی جہاں میں کر سکے

بولے مچھر آپ کی خادم ہَوا
ہے ہمارے جاں کی دشمن پر جفا

ایک لحظہ کرکے کچھ فکر اور نظر
حکم فرمایوں ہوا وہ دادگر

داستاں سُن لی تمھاری تو تمام
ہے مگر دستور میرا یہ مدام

جب کہ ہوں اہلِ تنازع دو بدُو
اُن کو کہتا ہوں کرو تم گفتگو

روبرو دونوں نہ ہوں جبتک مرے
جھوٹ اور سچ کا پتا کیونکر لگے

خوش نہ ہو یک طرفہ ڈگری پر کبھی
حکم وہ ہوتا ہے بالکل عارضی

سُن لوں اُسکی بھی کہ وہ کہتی ہے کیا
فی الحقیقت ہے بھی کچھ اُسکی خطا

مچھروں نے عرض کی حکمِ حضور
ہے بجا۔ بلوائیے اُسکو ضرور

حکم پاتے ہی ہَوا حاضر ہوئی
ہو گئے مچھر ہوا۔ فوراً سبھی

اصول افادہ

ایسی دنیا میں نہیں ہے کوئی شئے
سب کے حق میں جو مفیدِ عام ہے

اور نہ ایسی کوئی ہے دنیا میں چیز
جو کہ بالکل ہی مضر ہوا ے عزیز

سنکھیا ہے کِسقدر قتّال شئے
بعض مرضوں میں وہی تریاق ہے[م]

حکایت (۴۵)

م اکثر بعض [illegible] جن میں اکثر مریض اسکو نفع

عہد میں فاروقؓ کے ماہ صیام	دیکھنے باہر گئی خلقت تمام
اک پہاڑی پر چڑھے بعضے جواں	تاکہ وہ دیں چاند کا پہلے نشاں
ایک یہ کہنے لگا دیکھا اے عمرؓ	چاند ہے معمول سے باریک تر
آپ نے دیکھا نہایت غور سے	دیکھ تو بھی پھر کہا اِک اَور سے
جب نظر آیا نہ واں انکو ہلال	آپنے اُس سے کہا بے قیل و قال
ہاتھ ترکر اور مُنہ پر مَل ابھی	تاکہ نکلے تیری ابرو کی کجی
مُوئے ابرو کوئی ٹیڑھا ہو گیا	وہ نظر آتا ہے تجھکو چاند سا
اُس جواں نے دھو کے مُنہ دیکھا اُدھر	چاند کی جا چاند آیا نظر

نتیجہ

بال ٹیڑھا ابروئے خمدار کا	آسماں اور آنکھ کا پردہ بنا
جس کی ہو ہر چیز ٹیڑھی ایعزیز	حق و ناحق میں اُسے کب ہو تمیز
جسکی کجراہوں سے ہوگی دوستی	عقل میں بے شبہ ہو اُسکی کجی

حکایت (۴۶)

ایک عالم صالح و دیندار تھا	شاہ نے اُسکو دیا قاضی بنا
یہ خبر سُن کے وہ رویا زار زار	کردیا اپنا گریباں تار تار
اُس کے نائب نے کہا روتے ہو کیوں	آنسوؤں سے اپنا مُنہ دھوتے ہو کیوں

یہ تو ہے موقع مبارکباد کا
تو خوشی جتنی کرے اُتنی بجا

کر خدا کا شکر جائے شکر ہی
وقت شادی کے نہ رو مانند نے

قسمتیں خلقت کی تیرے ہاتھ ہیں
دی گئی ہیں رکھ امانت سے اُنہیں

ہے یہ منصب خاص شہ کی ذات کا
اُس نے وہ تیرے حوالے کر دیا

کونسی اُس سے جگہ ہے یاں بڑی
مل گئی تجھکو سمجھ قسمت لڑی

یہ کہا قاضی نے اُسکی مشکلات
تجھ پہ تو روشن ہیں سب اے نیکذات

شخص دو آئیں گے میرے سامنے
خوب ہوں گے جھوٹ پر دونوں تُلے

سچ بھی آکر گر کہیں گے بے شعور
جھوٹ کی بھی چاٹ دینگے کچھ ضرور

اتفاقاً مدعی گر سُست ہی
شاہدِ عادل ولیکن چست ہی

امر واقع کی نہیں مجکو خبر
وہ کہیں آکے کہ تو انصاف کر

توہی کر انصاف کچھ دل میں ذرا
مجکو لگ سکتا ہے کیا سچ کا پتا

دو ہیں عالم اور اک جاہل ہونمیں
وہ ہیں ظالم رحم کے قابل ہونمیں

جان و مالِ خلق میں کرنا قیاس
خوف سے خالی نہیں اے حق شناس

یوں کہا نائب نے سچ ہے یہ تمام
یہ بھی تو کر فکر تُو اے نیکنام

وہ تو ہیں بیمار اور تو ہے صحیح
اندھے ہیں وہ دیکھتا ہے تُو صریح

آنکھوں پر پردہ پڑا ہے حرص کا
ہے غرض نے اُن کو اندھا کر دیا

تیری آنکھیں ہیں خدا کے فضل سے
دونوں روشن اُن سے کیا نسبت تجھے

لائے گا تو بھی غرض گر درمیاں	تیسرا تو بھی ہے اندھا بے گماں
عدل ہو کب۔ ہو جو قاضی مرتشی	کیا کرے اندھوں کی اندھا رہبری

نتیجہ

یاد رکھ کافی ہے یہ قول نبیؐ	جائیں گے دوزخ میں راشی مرتشی

نصیحت

عدل کی کرسی پہ تو بیٹھے اگر	رکھ نہ اپنی کوئی شے پیش نظر
اپنے مذہب کا نہ کر ہرگز خیال	اپنے مطلب کا نہ کر ہرگز خیال
دوستی اور رشتہ رکھ بالائے طاق	کیسا ہے کیوں یہ نہ گزرے تجھ پہ شاق

بے ایمان دیانت دار

دیکھو گے ایسے بھی تم حاکم کئی	جو نہیں ہیں درحقیقت مرتشی
لینا رشوت کا سمجھتے ہیں حرام	پر سفارش سے بنا دیتے ہیں کام
یا طبیعت کے ہیں ضدی اس قدر	بیٹھ جائے بات اک دل میں اگر
یا نکل جائے زباں سے ناگہاں	اس سے ہٹنے کو وہ سمجھیں کسرشاں
عرش پر اپنا سمجھتے ہیں مقام	رکھتے ہیں انصاف کو بالائے بام
ان میں سے ہوتے ہیں بعض ایسے عزیز	کرتے ہیں ہندو مسلماں میں تمیز
فخریہ کہتے ہیں ہم ہیں دیندار	یا دھرم پر جان ہے اپنی نثار
ہے بڑا بزدل فلاں اور ناسپاس	اپنے مذہب کا نہیں ہے اسکو پاس

اور پڑھا ہے بعض نے الٹا سبق ... ڈرتے ہیں اپنوں کو دیتے اُن کا حق
بے لگاؤ تاکہ لوگ اُن کو کہیں ... مُنہ کے آگے وصف تا اُن کا کریں
ہیں یہ ظالم مرتشی گرچہ نہیں ... مرتشی ہے اُن سے تو بہتر کہیں
مرتشی ایمان کھوتا ہے مگر ... لے لواکر پیٹ تو لیتا ہے بھر
مفت میں ایمان یہ کھوتے ہیں سب ... مفت بے ایمان یہ بنتے ہیں سب

حکایت (۴۷)

اک سنپیرا چوک میں بیٹھا ہوا ... کرتا تھا اک دن تماشا سانپ کا
جب بجائی بین اُسنے شوق سے ... مُنہ کیا کالے نے باہر ذوق سے
محو و شائق راگ کا تھا اسقدر ... ہو گیا استادہ (کھڑا ۱۲) دُم کی نوک پر
سانپ کا بچہ بہت تھا خوب رو ... شوخ چکنا نرم نازک فتنہ خو
سانپ والا دوسرا جو چور تھا ... فکر میں اُس کے اُڑانے کی لگا
نقب دیکے رات کو دیوار میں ... لے اُڑا زنبیل شوقِ مار میں
صبح کو دیکھا سنپیرے نے جو گھر ... سانپ کی جھولی نہ واں آئی نظر
رزق کا اپنے ذریعہ پاکے گم ... ڈھونڈھ ڈالے اُسنے صندوق اور خُم
جب نہ پایا کچھ پتا زنبیل کا ... عجز سے کرنے لگا رب سے دعا
یا الٰہی کچھ نہیں مشکل تجھے ... میری جو شئے ہے وہ پا جائے مجھے

ہاتھ ڈالا چور نے جب سانپ پر	تاکہ دیکھے اپنی چوری کا ثمر
اتفاقاً روز وہ مستی کا تھا	ہاتھ کالے نے چٹک اُس کا لیا
کاٹتے ہی گر پڑا وہ مُنہ کے بل	اور تن سے جاں گئی اُسکی نکل
جب سپیرے نے سنا دشمن کا حال	بولا۔ اللہ نے بچایا بال بال
کس طرح ہو شکر حق مجھ سے ادا	نیش موذی سے لیا مجکو بچا

نتیجہ

کیوں نہیں ہوتی دعا میری قبول		ہے ترا یہ اعتراض ازبس فضول
تجھ کو اپنی عقل پر بے جا ہے ناز	ق	وہ حکیم مطلق و دانائے راز
بخشتا ہے اپنے بندے کو وہی		جانتا ہے جس میں اُسکی بہتری
کیا کمی ہے ورنہ اُس دربار میں		دخل بندے کو نہیں اسرار میں
ہم مگر بندے ہیں وہ رزاق ہے		ہم تو ہیں مخلوق وہ خلاق ہے
فرض ہے اپنا اُسی سے مانگنا		چاہے دے چاہے نہ دے اُسکی رضا

حکایت (۴۸)

وقت فرصت کچھ جواں بے فکر و غم	دل لگی کی کرتے تھے باتیں بہم
رفتہ رفتہ بات یہ بھی چل پڑی	وہ فلاں درزی بڑا ہے مفتری
لاکھ ہُشیاری کرو اُس کے لیئے	پر نہیں ٹلتا وہ بے چوری کیئے

اِک سپاہی تھا وہاں بیٹھا ہُوا
آکے شیخی میں وہ یوں کہنے لگا

ہیں یہ سب کہنے کی باتیں دوستو
میں لگاتا شرط ہوں تم کچھ بدو

جاؤں گا کل فجر کو میں دیکھنا
سامنے کتواؤں گا اپنی قبا

میں بھی دیکھوں اُسکی عیاری ذرا
مجھ سے کیا کرتا ہے طرّاری بھلا

مجکو گر دے جائے دھوکہ وہ لعیں
ہار جاؤں اپنا گھوڑا اور زیں

دوسرے دن لیکے اک اطلس کا تھان
پُہنچا درزی پاس بولا اے جواں

ہاں ابھی اِس تھان سے میرے لیئے
اِک قبا لے کاٹ میرے سامنے

شہر میں چالاک تو مشہور ہے
پر یہ بندہ بھی بہت ہی دور ہے

آؤں گا ہرگز نہ تیرے داؤ میں
اور ہیں وہ داؤ دیتا ہے جنھیں

اُنگل اُنگل کا میں کرلونگا حساب
انگلیوں پر ہے مری سارا حساب

عرض کی درزی نے قبلہ بیٹھیے
شک یہ ڈالا کس نے دلمیں آپکے

عمر ساری ہوگئی کرتے یہ کام
ایک کترن تک سمجھتا ہوں حرام

پھر کسی اُلّو کو دھوکا دے بھی دوں
آپ جیسے سے بھلا دھوکا کروں

جانتا ہوں سیکڑوں مجھسے سڑے
ناخنوں میں آپکے ہوں گے پڑے

لیکے قینچی ہاتھ میں اُستاد جب
کاٹنے اطلس لگا وہ مرد تب

ہوکے چوکنّا مقابل جم گیا
چشموں پر قینچی کے دیں آنکھیں لگا

تھا بہت باتون درزی اور ہنسوڑ
یاد تھے اُس کے ہزاروں جوڑ توڑ

یہ ارادہ کر کہ اُسکو دھوکا دے	چٹکلے کہنے شروع اُسنے کیے

لطیفہ

ایک درزی کی کہیں شادی ہوئی	بیوی جو آئی وہ تھی لکھی پڑھی
تھے ہزاروں شعر استادوں کے یاد	مانگتی تھی پڑھکے ہر شعر اُس سے داد
پوچھتی تھی پھر کہ سمجھے آپ کیا	مطلب اِسکا دیجئے مجھکو بتا
سُن کے درزی دم بخود بیٹھا رہا	شعر فہمی سے اُسے نسبت تھی کیا
قاعدے بچپن میں پھاڑے تھے کئی	پر الف با بھی نہ ساری یاد تھی
جبکہ بیوی نے کیا ناچار سخت	دل میں کرکے فکر کچھ وہ نیکبخت
بیٹھا بیٹھا سر ہلانے لگ گیا	لے رہا ہے شعر کا گویا مزا
بیوی بولی ایلو کھا جاؤں قسم	تم سمجھتے ہو۔ مجھے دیتے ہو دم
وہ لگا کہنے کہ میری عقل میں	جو کچھ آتا ہے بتاتا ہوں تمھیں
میں تو یہ سمجھا ہوں واللہ بالیقیں	بیوی میرے گھر تو تو ٹکتی نہیں
یہ لطیفہ سُن کے وہ ایسا ہنسا	جا پڑا اُلٹا کہ گویا مست تھا
دیکھکر موقع لیا درزی نے کاٹ	فوراً اُسکے تھان سے چوتھائی پاٹ
اُٹھ کے جب بیٹھا سپاہی نے کہا	ہاں خلیفہ اور ہو اِک چٹکلا
پھر سنائے ایسے اُس کو چٹکلے	پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑے
ہنس کے جھکتا تھا زمیں پر اسقدر	جا لگا اِک بار سر بھی فرش پر

جب سپاہی اسطرح سجدہ میں تھا	ایک اور اُس نے لیا ٹکڑا اُڑا
پھر کہا جب ہوش میں آیا جواں	اِک لطیفہ اَور بھی اُستاد ہاں
بولا درزی اب نہیں فرصت ذرا	ایڑ کیجیے بس بگڑتی ہے قبا

تشریح

ہے سپاہی سے غرض وہ بے خبر	اپنے تقوے کے فقط جو زعم پر
سامنا کرتا ہے جا شیطان کا	ہے یہاں درزی سے شیطاں مدعا
عمر اطلس چٹکلے ہیں شہوتیں	رات دن قینچی ظرافت غفلتیں

حکایت (۴۹)

کہتے ہیں اک شہر میں تھے چار یار	ہم نوالہ ہم پیالہ غمگسار
تھے جُلاہے قوم سے وہ بے خرد	ہوش سے عاری تھے مثل دام و دد
مِلکے چاروں ایک مسجد میں گُھسے	عصر کا تھا وقت دی بانگ ایک نے
بن گیا اُن چار میں سے اِک امام	ہوگئے قائم جماعت پر تمام
اِتنے میں مسجد کا مُلّا آگیا	وقت کی تنگی سے گھبرایا ہُوا
آکے فوراً وہ لگا دینے اذان	مقتدی اِک بول اُٹّھا بھائی جاں
بانگ کی تکلیف مت فرمائیے	شامل آکر بے خطر ہو جائیے
دوسرے نے سُن کے اُس سے یہ کہا	بولنا اِسوقت ہے بالکل خطا

بولنے سے فسخ ہوتی ہے نماز | چاہیئے اُس میں نہ کچھ غیر از نیاز
تیسرے نے سن کے اُسکا یہ کلام | یہ کہا خاموش رہ اے مرد خام
ہے عجب نادان تُو اور خود پسند | خود فضیحت اور کو کرتا ہے پند
رہ گئے تھے اک فقط باقی امام | وہ بھی آخر کہہ اُٹھے قبل از سلام
شکر حق مُنہ سے نہ بولا میں ذرا | اے خدا تو نے مجھے ثابت رکھا

نتیجہ

عیب اپنا دیکھنا آساں نہیں | دیکھتے ہیں اپنے عیب اہل یقیں
اوروں کو کرنی نصیحت عارفا | اور خود ہونا فضیحت عارفا
اِس سے آساں تر نہیں دنیا میں کام | عیب دیکھ اپنا بھی تو اے مرد خام

فائدہ

قول ہے یہ حضرت لقمان کا | اور شیخ صاحب عرفان کا
واسطے تیرے نہیں جو سود مند | دوسرے کے واسطے مت کر پسند
قول ہے یہ کل معانی سے بھرا | عطر ہے یہ حکمت و اخلاق کا
گر رکھے اُسکو کوئی زیر عمل | ظلم ہو سرزد نہ اُس سے تا اجل

حکایت (۵۰)

اگلے وقتوں میں کہیں تھا اک امیر | خصلتیں تھیں اُسکی اکثر بے نظیر

نیک خو تھا نیک رو قابل بڑا　　پر یہ شامت تھی کہ تھا کاہل بڑا
تھا امورِ دنیوی میں بھی نہ چُست　　پر عبادت میں خصوصاً تھا وہ سُست
سجدے سے اتنا چُراتا تھا وہ دم　　بھُول کے رکھتا نہ مسجد میں قدم
اِک غلام اُس کا تھا سنقر نام کا　　اپنے آقا کے بہت ہی مُنہ چڑھا
تھی خلاف آقا کے اُسکی چال ڈھال　　وہ نمازی اور عابد تھا کمال
ایک دن کرکے ارادہ غسل کا　　جانبِ حمام آقا جب چلا
تیل اور رومال اور صابون کو　　ہاتھ میں لیکر چلا وہ نیک خو
ایک مسجد راہ میں اُن کے پڑی　　جس میں سے آواز آئی بانگ کی
بانگ کی آواز سنقر نے سنی　　تو وہیں آقا سے اپنے عرض کی
دیجئے مجھکو اجازت اِک ذرا　　فجر کی دو رکعتیں کرلوں ادا
خدمتِ خالق میں لو جاتا ہوں میں　　ٹھہریئے باہر ابھی آتا ہوں میں
جاؤ۔ بولا وہ امیرِ نیک دل　　بیٹھتا ہوں میں کہیں یاں متصل
فرض حق کا تم کرو بے شک ادا　　اور کرو آقا کے حق میں بھی دعا
اِک گھڑی تک انتظار اُسنے کیا　　باہر آیا پر نہ سنقر باصفا
مقتدی سب اور امام آئے نکل　　پڑھ کے جو کچھ پڑھنا تھا ورد و عمل
ہو چکی جب دوسری ساعت تمام　　در پہ مسجد کے وہ آیا نیک نام
اور لگا کہنے کہ سنقر کیا ہوا؟　　سی دیا کس نے وہاں دامن ترا

بولا سنقر اور ساعت ٹھیریئے
کیا کروں۔ آنے نہیں دیتے مجھے

اُس کے آقا نے کہا وہ کون ہے؟
جو تجھے مانع ہے اے فرخندہ پے

یہ دیا سنقر نے آقا کو جواب
اِس قدر مجھ پر نہ ہوں غصّے جناب

باہر آنے وہ نہیں دیتا مجھے
اندر آنے جو نہیں دیتا تجھے

نتیجہ

چاہتا ہے گر تو دل کی زندگی
بندگی کر بندگی کر بندگی

منکرِ سجدہ نہ ہو شیطاں نہ بن
آدمیت سیکھ اور حیواں نہ بن

کل فواحش سے بچاتی ہے نماز
گر خلوصِ قلب ہو اور ہو نیاز

دخل ہے اُس میں ریا کا کچھ اگر
ہے نماز ایسی سقر کی راہبر

پُورا کرنا رسم اور عادات کا
کرنا ہے ضائع فقط اوقات کا

حکایت (۵۱)

صبح کا تھا وقت اور فصلِ بہار
توڑلی اِک اونٹ نے اپنی مہار

اِک طرف آہستہ آہستہ چلا
آگے چلکر راہ میں چوہا ملا

موش ناداں دیکھکر اُس اونٹ کو
دل میں یوں کہنے لگا جو ہو سو ہو

چھوڑنا اسکو نہیں اب زینہار
تھام لینی چاہیئے اُس کی مہار

لی لپک کر ڈور منہ میں اور شریر
اونٹ کو یوں لے چلا کرکے اسیر

اونٹ نے بھی یہ مذاق اُس سے کیا　　پیچھے پیچھے بے تکلف ہولیا
چلتے چلتے راہ میں وہ ناگہاں　　دیکھتے کیا ہیں کہ پانی ہے رواں
دیکھکر پانی گیا چوہا ٹھٹک　　اونٹ کا تکتا رہا منہ دیر تک
اونٹ نے پوچھا بتا اے راہبر　　کیا ہوا کیوں ڈر گیا تو اِس قدر
یوں کہا چوہے نے ہوکر منفعل　　بھائی اِس پانی سے دہلا میرا دل
اونٹ بولا ڈر نہ تو جاتا ہوں میں　　کِس قدر پانی ہے بتلاتا ہوں میں
الغرض وہ اونٹ دریا میں گھسا　　اور کہا پایاب ہے یہ۔ آبھی جا
دیکھ زانو تک میرے ڈوبے نہیں　　غرق ہو تو ایسا ممکن ہی کہیں
بولا چوہا خوب فرمایا جناب　　چاہتے ہو مجھکو کرنا غرق آب
تا بزانو آپ کے پانی جو ہو　　مجھ سے لاکھوں کو نہ دیگا کیا ڈبو
اونٹ تب کہنے لگا یہ طنز سے　　بس اِسی برتے پہ تھے رہبر بنے

فائدہ
قوم کے رہبر

گمرہی سے خود نہیں ہیں جو بری　　وہ کریں گے قوم کی کیا رہبری
ایسی کشتی کو ہمیشہ ہے خطر　　جس کا کشتیبان ہو بالکل کم نظر
ہو جو نابیناؤں کا اندھا امام　　جا کے خندق میں گرینگے وہ تمام
بیعتِ توبہ فقط مسنون ہے　　بیعتِ سلطان بھی ماذون ہے

فرض و واجب بیعتِ رسمی نہیں — ہے سند اسکی نہ سنت میں کہیں
گر اگر بیعت کرے تو دیکھکر — کھیل اِسکو مت سمجھ اے بے خبر
شیخ ہیں اکثر تو بالکل نام کے — ہیں نہ دنیا کے نہ دیں کے کام کے
بعض ہیں لیکن بہت ہی خوفناک — ہے جگر تقوے کا جنسے چاک چاک
یعنی ہیں پیشے ریا کے سربسر — کاکلیں چھوڑے ہوئے ہیں تا کمر
صوف میں لپٹے ہوئے ہیں کُل کے کُل — مجلسوں میں ہیں مچاتے شور و غل
یہ درندے بکریوں کی کھال میں — جاہلوں کو ہیں پھنساتے جال میں
ہیں بظاہر بعض بالکل راستباز — رکھتے ہیں ابلیس سے پر ساز و باز
ہیں ولی کے بھیس میں شیطاں چھپے — ہاتھ میں شیطان کے مت ہاتھ دے
جیسے طالب ویسے ہی مطلوب ہیں — یہ ہیں جاہل اور وہ مسلوب ہیں
خود یہ فرماتا ہے قرآن شریف — طالب و مطلوب دونوں ہیں ضعیف
شیخ گر ملتا نہیں ہے متقی — اہلِ دل اور تابعِ شرعِ نبیؐ
بلکہ ۱۲
کیوں ہوا ہے لغو رسموں کا اسیر — کیا نہیں کافی تجھے قرآں پیر
کیا نہیں کافی تجھے اُسکی حدیث — بھاگتا تھا جس سے شیطانِ خبیث
کیا نہیں شافع تجھے کافی رسولؐ — ڈھونڈھتا ہے کیوں شفاعاتِ فضول
کیا ولی اور کیا نبی اور کیا امام — کیا شہیدِ راہِ حق شیخِ انام
الغرض ہیں جسقدر چھوٹے بڑے — نفسی نفسی سب پکارینگے کھڑے

سب اُسی نوشہ کی دیکھینگے طرف
جس کو ہے الا باذنہ کا شرف

شان میں جس کی ہو مازاغ البصر
صاحبِ لَوْ اَنَّنَا خیر البشر

تھا خیالِ قوم جس کو تا حیات
اور زبان پر امتی وقتِ وفات

روزِ آخر حشر کے میداں میں بھی
وہ کہے گا اُمتی آہ اُمتی

اُس کی اُمت کا جو ہوگا دردمند
ہے وہی سنت کا اُس کی پائے بند

اِس طریقہ میں بھی پر کذاب ہیں
چاہیئے لوگ اُن سے بھی بچکر رہیں

فائدہ
فوارہ اور چشمہ کی تمثیل

یعنی ایسے مدعی بھی ہیں نہ کم
جو کہ حُبِ قوم کا بھرتے ہیں دم

کہتے ہیں ہم قوم کے ہمدرد ہیں
جان کی پروا نہیں وہ مرد ہیں

پر محبّت قوم کی آساں نہیں
نفس کی گردن زنی آساں نہیں

ہو فنا فی القوم پہلے اے حبیب
جب قبولِ عام ہو تجکو نصیب

ورنہ فوارہ ہے تیری اِک مثال
یاد رکھ انجام ہے تیرا زوال

ہے اجازت جس قدر چاہے اُچھل
آئے گا آخر کو نیچے سر کے بل

کام وہ رکھتا ہے اپنے کام سے
کچھ غرض ہوتی نہیں ہے نام سے

کیوں نہیں لیتا ہی چشمہ سے سبق
کرتا ہے محنت سے جو خاراکو شق

لوٹتا ہے پاؤں میں ہر سنگ کے
فائدے لیتا ہے جو ہر رنگ کے

سر جھکائے خاک پر چلتا ہے وہ
ہر قدم پر پھولتا پھلتا ہے وہ

خاکساری جس قدر کرتا ہے وہ
عجز و زاری جس قدر کرتا ہے وہ

قوم اُس کی کرتی ہے اُس کی مدد
یعنی آ ملتے ہیں چشمے بے عدد

بن کے دریا ابر رحمت کی مثال
فیض سے کرتا ہے ملکوں کو نہال

حکایت (۵۲)

تھا عماد الملک نواب ہرات
ابر رحمت باکرم تھی اُس کی ذات

تھی رعیت اور مسافر اُس سے خوش
اہل حرفہ اور تاجر اُس سے خوش

بادشہ کرتا تھا اُس کا اعتبار
شاہ پر کرتا تھا وہ بھی جاں نثار

پانسو رکھتا تھا وہ چیدہ غلام
سب کے سب تھے باوفا اور نیکنام

تھے نہ بندے اُسکے وہ فرزند تھے
اپنے آقا کے وہ سب دلبند تھے

گردنوں میں طوق زریں تھے پڑے
تاج تھے اُنکے جواہر سے جڑے

تھیں قبائیں اطلس و کمخواب کی
گنگا جمنی پیٹیاں اُنکے بندھی

شہر میں پھرتی تھیں اُنکی ٹولیاں
مارتے تھے ہر کسی پر بولیاں

بانوا بازار میں جاتا تھا ایک
گو کہ تھا مُنہ پھٹ مگر دل کا تھا نیک

اسقدر محتاج تھا یہ بانوا
نام کو بھی جسم پر کپڑا نہ تھا

آسماں کی سمت مُنہ کر کے کہا
میں بھی اک بندہ ترا ہوں اے خدا

بجتے ہیں جاڑے کے مارے جسکے دانت | قل ہو اللہ پڑھتی ہے ہر ایک آنت
ہیں عماد الملک کے بندے یہ سب | بندہ پرور جنسے ہے اُسکا لقب
کیسے موٹے تازے ہیں اُسکے غلام | کیسے ہیں خوش پوش اور با احتشام
پھرتے ہیں اتراتے کیسے کو بکو | پالنا بندوں کا اُس سے سیکھ تو
اور ہے کچھ خالقی و سروری | پر نہیں آسان بندہ پروری
کچھ دنوں پیچھے بہ تقدیرِ خدا | بخت جب اُلٹا عماد الملک کا
بادشہ نے قید میں بھیجا اُسے | کارخانے اُسکے سب لٹوا دیئے
مار کر ٹکڑے غلاموں کے کیئے | چند اُن میں سے شکنجہ میں دیئے
اُن سے پوچھا ہاں دفینہ ہی کہاں | اور آقا کا خزینہ ہے کہاں
نکلے ایسے سب کے سب ثابت قدم | بھید گو معلوم تھا مارا نہ دم
بانوا بھی دیکھتا تھا سب یہ حال | ہو گیا بے ہوش اور غم سے نڈھال
ایک ہاتف نے کہا نیکو سیر | کیا کہا تھا عرصہ گزرا۔ یاد کر؟
بندہ بننا بھی تو ان سے سیکھ لے | اپنے رب کو پھر کبھی طعنہ نہ دے

نتیجہ

شرک مت کر رکھ خدا پر اعتبار | دیکھ تو پھر فضل کی اُسکے بہار

ہے ترے ہی بندہ ہونے میں کلام
ورنہ بندہ پروری ہے اُس کا کام

حکایت (۵۳)

ایک شہ کے پاس آئے دو غلام
تھے وہ دونوں حسن میں ماہ تمام
خوش نویسی میں تھے آقا و عماد
نظم میں ہر اک نظامی سے زیاد
مانی و بہزاد تھے تصویر میں
اور نظام الملک تھے تدبیر میں
تھے ارسطو دانش و اخلاق میں
اور فلاطوں حکمت اشراق میں
ریزہ چیں اُن کا لغت میں جوہری
نحو میں تھے ابن حاجب اور رضی
اصمعی سے بڑھکے تھے دونو ادیب
اور فصاحت میں تھے سحبان کے رقیب
جڑتا تھا موتی ہر اک تحریر میں
پھول منہ سے جھڑتے تھے تقریر میں
علم میں تاریخ کے تھے بے نظیر
واقدی اک۔ دوسرا ابن اثیر
ہندسہ میں اُن کو تھا اتنا کمال
بدر تھے وہ اور اقلیدس ہلال
طب حدیث و فقہ و قرآن و نسب
ابن سینا کی طرح تھے حفظ سب
علم مجلس اور آداب طعام
علم تدبیر و سیاست اور کلام
الغرض ہر علم میں وہ طاق تھے
نیزہ و شمشیر میں مشّاق تھے
ایک سے تھا ایک بڑھکر ہر طرح
کی عنایت شہ نے ان پر ہر طرح
ایک تھا گندہ دہاں اور دوسرا
ظاہری عیبوں سے بالکل پاک تھا
ایک دن وہ شاہ تھا خلوت نشیں
دل میں سوچا امتحاں لیجے ہمیں

تاکہ ہو معلوم وقتِ امتحاں
ایک کو کرکے طلب دیوان میں
یہ جواں تیرا جو ہے یار و رفیق
کرتا رہتا ہے تری بدگوئیاں
چور اور گندہ دہن جھوٹا حقیر
وہ توجہ سے بہت سنتا رہا
میں نے تو اُس سا نہیں دیکھا کوئی
دوست میں وہ دیکھتا ہے عیب گر
آزمایا اِس کو میں نے بارہا
ہے یہ ممکن مجھ میں ہوں یہ عیب سب
آدمی گر عیب اپنے دیکھتا
بے خودی میں محو وہ بیشک و ریب
نیک بخت ایسے ہیں معدود اور چند
آئینہ ایمان کا اُن کے روبرو
مُنہ بناکر شاہ نے اُس سے کہا
پھر بلایا دوسرے کو اپنے پاس
کیا سبب ہے جو ترا یارِ فلاں
کون سا اِن میں ہے دُرِّ شائگاں
یہ کہا چُپکے سے اُس کے کان میں
حال پر جس کے تو ہے اتنا شفیق
تیری غیبت اُس کی ہے وردِ زباں
تجھ کو کیا کیا یہ نہیں کہتا شریر
اور پھر ہنسکر کہا تو یہ کہا
باحیا خوش خُلق اور نیک آدمی
مُنہ پہ کہدیتا ہے اُسکے بے خطر
جھوٹ کی عادت نہیں اسمیں ذرا
ورنہ وہ کہتا نہ ہرگز بے سبب
فرصت اپنے سے نہ پاتا یہ ذرا
اس لیئے ہے دیکھتا اوروں کے عیب
جو نہیں ہیں عیب چیں اور خود پسند
عیب دکھلاتا ہے اُن کے موبمو
دور ہو پردے کے پیچھے بیٹھ جا
اور کہا سُن غور سے ای حق شناس
عیب صدہا تجھ میں کرتا ہے بیاں

تجھ کو کہتا ہے بڑا غدار ہے
چور ہے کذاب ہے مکار ہے

سن کے اسکو غصہ آیا اسقدر
جھاگ بھی منہ سے گرے کچھ فرش پر

سیکڑوں دشنام پھر اسکو دیئے
چھان ڈالے عیب اصل اور نسل کے

بادشہ نے یہ کہا خاموش ہو
ہوگئی معلوم مجھکو تیری خو

آزمانا تھا مجھے اسے خوش لقا
پاک باطن تم میں سے ہے کون سا

صاف اُس کا دل ہے تیرا ہے پلید
تو ہے شیطاں اور وہ مرد سعید

نتیجہ

گر بھلی ہو صورت اور سیرت بری
تف ہے اُس صورت پہ گو ہو وہ پری

ہو بری صورت مگر سیرت ہو نیک
اُسکے قدموں پر تو دے سر اپنا ٹیک

حکایت (۵۴)

مور اک جنگل کے اندر اپنے پر
پھینکتا جاتا تھا دُم سے نوچ کر

ایک دانشمند وہاں موجود تھا
غور سے تھا دیکھتا اُسکو کھڑا

مور سے اُس نے کہا یہ دیکھکر
دل نہیں کڑھتا ترا اے جانور

ان پروں کو لوگ کیا کیا شوق سے
رکھتے ہیں قرآں کے اندر ذوق سے

ان پروں کے پنکھے ہر صبح و مسا
رُخ پہ محبوبوں کے کرتے ہیں ہوا

تیری ناشکری و بیباکی ہے یہ
بے خبر بھی کِس کی نقاشی ہے یہ

سور سُن کر یہ نصیحت چپ رہا
اشک آنکھوں سے دیئے لیکن بہا

گریہ اُس کا اِس قدر تھا دردناک
تھا ہر اک کرتا گریباں سُنکے چاک

اشک جو نکلے جگر کے سوز سے
دیکھکر پتھر بھی اُسکو رو پڑے

اشک جو جھوٹے ہوں ایجانِ پدر
اُن پہ ہنستے ہیں سبھی دیوار و در

رو چکا جب سور اُس نے یہ کہا
اے حکیم باخرد اب سُن ذرا

مبتلائے رنگ و بو ہے تو عزیز
اصل کو بھی دیکھ اے صاحب تمیز

مجھ سے پوشیدہ نہیں اے پُر ہنر
اپنے کل عیبوں کی ہو مجکو خبر

گوشت میں میرے نہیں کچھ بھی مزا
ہے جہاں میں کون مجھ سا زشت پا

پر بتا مجکو بھلا اے ذو فنوں
جستجو میں ہے مری صیاد کیوں

میں بتاتا ہوں تجھے اِسکا سبب
کس نے ڈھایا مجھ پہ ہے یہ سب غضب

ہیں مرے دشمن مرے نقش و نگار
میری خوبی نے کیا مجکو شکار

نیلگوں گردن نہ ہوتی کاشکے
خوبصورت یہ نہ ہوتے پر مرے

فکر و غم ہوتا نہ ہرگز جان کا
اِس سے تو تھا میں لنڈورا ہی بھلا

تمثیل با مراقبہ

آج گزرے اسکو پنتالیس سال
حق نے بھیجا ہند پر اپنا وبال

ہو گئی کچھ بدگمانی دل نشیں
کمپنی کی فوج بگڑی ہر کہیں

افسروں کو مار کر وہ بدشیم
عورتوں اور بچوں پر کرکے ستم

ہر طرف سے جانبِ دہلی چلے
ظلم میں وہ بیوفا حد سے بڑھے

تھے وہ عاری دین سے اور شرم سے
سب کے سب خالی دیا اور دھرم سے

راہ میں جو شہر اُن کو مِل گیا
لوٹ کر خاکِ سیاہ اُسکو کیا

ایک لشکر یا کہوں قہرِ خدا
ایک چھوٹے شہر سے ہو کر گیا

لوگ وہاں کے دیکھکر ڈرنے لگے
جستجو ہمدرد کی کرنے لگے

اِک ولیِ حق کا تھا اُس جا قیام
قطبِ وقت اور عہد کا اپنے امام

پاس اُسکے آئے سب وہ دوڑتے
التجا کی تا شفاعت وہ کرے

رحم آیا اُس کو اُنکے حال پر
ہو لیا وہ ساتھ اُنکے بےخطر

فوج سے کرکے سفارش برملا
شہر اپنا لوٹ سے بچوا لیا

کچھ دنوں کے بعد پھر بدلی ہوا
دور دورہ مخبروں کا ہو گیا

ہر جگہ پر ہو گیا شر و فساد
خوب نکلے سب کے پھر ذاتی عناد

عقل چلدی حاکموں کو کر سلام
سر چڑھا اُن کے جنونِ انتقام

دعوئے تہذیب سب نکلا دروغ
عقل کو غصے کے آگے کیا فروغ

عقل اور تہذیب جب جاتی رہے
آدمیت پھر کہاں باقی رہے

تھے فرشتے عدل میں جو نامور
بن گئے غصے میں چنگیز و تمر

جن کے بچے ننھے ننھے پھول سے
مارے جائیں ظالموں کے ہول سے

ہوش اُنکے کسطرح قائم رہیں
مارے جائیں جنکے بچّے عورتیں

حاکموں کی ہو گئیں عقلیں خفیف — بے گنہ مارے گئے لاکھوں شریف
ایک مجرم کی جگہ سو بے خطا — مار ڈالے پر نہ دل ٹھنڈا ہُوا
عقل اک لارنس کی قایم رہی — اور پنچ کے ننگ نے بھی خوب کی
اُس طرف خاتونِ انگلستان کا — دیکھکر یہ ظلم دل زخمی ہوا
اُسکا شوہر رحم کا پتلا تھا جو — جسکی ہیں مشہور عاداتِ نکو
تھا فرشتہ قالبِ انسان میں — جب پڑا یہ ظلم اُس کے کان میں
ہو گیا بے چین غمگیں بیقرار — کہتے ہیں روتا تھا سنکر زار زار
دیکھکر اپنی رعیت کا یہ حال — ظالموں کا دیکھکر قہر و جلال
رحمت آئی دلمیں ہوکر موجزن — سی دیئے مُنہ بھیڑیوں کے دفعۃً
کہدیا اُسنے زبانِ حال سے — مارتے ہو کیوں یہ تم بچے میرے
گر نہ ہو وہ بے گناہوں کیطرف — اَور لاکھوں بے گنہ ہوتے تلف
ایسے نازک وقت میں وہ باصفا — حاسدوں کی سعی سے پکڑا گیا
باغِ عرفاں کا گلِ صد برگ تر — دشمنوں کو خار آتا تھا نظر
موذیوں نے یہ خبر حاکم کو دی — سازش اُسکی باغیوں کے ساتھ تھی
باغیوں کے ورنہ کیوں جاتا وہ پاس — اور اُن کو کیا پڑا تھا اُس کا پاس
یہ نہ کی تحقیق حاکم نے ذرا — کیوں گیا تھا کام اُس نے کیا کیا
تھی کسے فرصت بھلا تحقیق کی — لگ رہی تھی ملک میں اک آگ سی

تھی یہی کافی انہیں بس اک دلیل
ہے یہ موقع ہوں بڑے سارے ذلیل

جنکے ہوں کہنے میں اِک خلقِ خدا
مصلحت رکھنا نہیں اُن کا بجا

ہو جو لالہ زار میں ڈوڈا بلند
خود پسندوں کو نہیں آتا پسند

اعتراض اُنپر ہے اب کرنا فضول
ہوں یہی شاید حکومت کے اصول

تھی مشیت جب یہ پھر کِسکا قصور
بات یہ ہونی تھی پھر ہوتی ضرور

جانتا تھا وہ ولیِ حق یہ راز
تھا اُسے تسلیمِ امرِ حق پہ ناز

غیب کے پردے میں جو تھا مستتر
آرہا تھا فاش وہ اُسکو نظر

بے گنہ تھا شوقِ حق میں تر زباں
مثنوی کا شعر یہ تھا بر زباں

دشمنِ طاؤس آمد پرِّ او
اے بسا شہ را بکشتہ فرِّ او

حکایت (۵۵)

چوری کرتے میں کہیں اِک بے حیا
عہد میں فاروقؓ کے پکڑا گیا

لائے جب اُس کو حضورِ دیں پناہ
اور ثابت ہو گیا اُسپر گناہ

اُس مجسم عدل نے فتوٰے دیا
ہاتھ کاٹو ہے یہی اِسکی سزا

سُن کے یہ چلّا اُٹھا وہ بے شعور
رحم کیجے ہے مرا پہلا قصور

ہم نشینوں نے شفاعت کی بہت
درد مندوں نے حمایت کی بہت

اِک نہ مانی اور کہا فاروقؓ نے
حد کرو جاری ہمارے سامنے

جھوٹ یہ بکتا ہے مجکو ہے یقیں	اِسکی یہ پہلی خطا ہرگز نہیں
ہے مرے رب کی یہ ستاری سے دور	اُس غنی کی ہے یہ غفاری سے دور
یوں فضیحت اپنے بندے کو کرے	اور توبہ کی نہ دے مہلت اُسے

نتیجہ

یہ سمجھکر جائے گا اب بھی سنبھل	ڈھیل دے کر کرتا ہے لیت و لعل
باز آتا ہی نہیں جب بے حیا	کرتا ہے رسوا اُسے پھر برملا

حکایت (۵۶)

شہر سے صحرا کیجانب ایک بار	دوڑے جاتے تھے مسیح نامدار
پیچھے مڑکے دیکھتے تھے ہر قدم	جیسے خائف دیکھتا ہے دمبدم
چڑھ گیا تھا دم۔ قدم تھے رکگئے	بھاگتے تھے اور دم لیتے نہ تھے
دیکھکر اک شخص نے یہ ماجرا	پوچھنا چاہا کہ حضرت کیا ہوا
مڑکے عیسےٰ نے نہ کی اُس پر نظر	چال اپنی بلکہ کردی تیز تر
یہ بھی بے فکرا بڑا آزاد تھا	باندھ کے دامن کو پیچھے ہولیا
تھک گیا جس وقت یہ مرد ظریف	یوں کہا عیسےٰ سے کچھ ہوکر خفیف
آپ کو ہے اپنے اللہ کی قسم	جو رکھیں اب آپ آگے کو قدم
مسکرائے عیسےٰ فرخندہ فال	اور لگے کہنے کہ کر اپنا سوال

یہ کہا اُس شخص نے فرمائیے   آپ یوں جاتے ہیں بھاگے کسلیے
شیر تھا پیچھے کوئی یا بھیڑیا   دشمنوں کو آپ کے کیا خوف تھا
مار کر عیسٰے نے پھر اک قہقہا   یہ کہا جاتا تھا میں رہ میں چلا
ایک احمق پڑ گیا میری نظر   بھاگ اُٹھا تھا میں تو اُسکو دیکھکر
سُن کے یہ وہ شخص حیراں رہگیا   ایک لحظہ بعد حضرت سے کہا
کیا نہیں ہیں آپ اللہ کے رسول   جن کی ہوتی ہیں دعائیں سب قبول
اسم اعظم یاد ہے وہ آپ کو   جس کے آگے سب مصیبت گرد ہو
تم باذنی گر کہو دعوے کے ساتھ   ڈال دے باہر کفن کے مردہ ہاتھ
لنگڑے اور لولے اور اندھے بدنصیب   اور جذامی اور دیوانے غریب
آپ کی اِک چھو سے اچھے ہوگئے   پھرتے ہیں بازار میں چنگے بھلے
کیا علاج احمق کا ہوسکتا نہیں   یہ نہیں آتا مجھے ہرگز یقیں
سُن کے یہ تقریر سب حضرت مسیحؑ   بولے سب کچھ جو کہا تو نے صحیح
تجربہ اپنا بتاتا ہوں تجھے   آپ بیتی میں سُناتا ہوں تجھے
اسم اعظم مردے پہ میں نے پڑھا   ہوگیا وہ حکم خالق سے کھڑا
دم کیا اندھے پر آنکھیں کھل گئیں   قدرتی لُنجوں کی ٹانگیں کھل گئیں
پر نہ کچھ ہرگز ہوا اس کا اثر   آزمایا احمقوں پر بیشتر
بھید کیا ہے پھر کہا اُس شخص نے   راز کب مخفی ہے کوئی آپ سے

بولے عیسیٰ یہاں نہیں ہے کوئی راز
ہے مرض میں اور حمق میں امتیاز

ہیں مرض سارے مصیبت اسلئے
رحم آتا ہے خدا کو دیکھ کے

حمق لیکن قہر رب ہے سربسر
رحم وہ کرتا نہیں مقہور پر

ہو خدا کے قہر کا جس پر وبال
یوہیں رہتا ہے ہمیشہ خستہ حال

کچھ اثر کرتے نہیں افسوں دعا
جو لگاؤ تیر ہوتا ہے خطا

نتیجہ

ہے عرب کے ایک شاعر کا یہ قول
سچ اگر پوچھو تو ہے سچا یہ قول

کوئی دنیا میں مرض ایسا نہیں
جس کی کی حق نے دوا پیدا نہیں

پر حماقت ہے یہ درد لا دوا
جو پھنسا اس میں نہیں ممکن شفا

حکایت (۵۷)

تھا کہیں اک شخص عالم اور ذکی
اک مصیبت ناگہاں اُس پر پڑی

موت دیتی تھی دکھائی سامنے
حیلے بچنے کے بہت اُس نے کیے

جب نظر آئی نہ اُس کو مخلصی
وہ گیا لینے صلاح اک شخص کی

یہ کہا اُس شخص نے اے نیکنام
سادگی میں کچھ نہیں تیری کلام

بھید کا دیتا ہے کیوں مجکو پتا
دشمن جاں ہوں میں تیرا برملا

مشورت کر جاکے ایسے دوست سے
ہو جو ہمدرد اور صلاحِ نیک دے

یہ کہا اُسنے کہ اے نامہرباں
دشمنی کا حال ہے مجھپر عیاں
میں نہیں بھولا ہوں تیری دشمنی
پر کہاں ملتا ہے عاقل دوست ہی
گرچہ تو دشمن ہے۔ پر ہے عقلمند
سودمند ہوگی تری ہر ایک پند
عاقلانہ ہوگی جو دیگا صلاح
کام میں جس سے ہو امید فلاح

نتیجہ

یاد رکھ یہ قول ختم المرسلیں
مؤتمن ہے مستشار اے مرد دیں
یعنے دشمن بھی صلاح اگر جو لے
چاہیئے اُسکو صلاح نیک دے

حکایت (۵۸)

تھا مجرد اور بڈھا ایک مرد
آزمودہ تھا جہاں کے گرم سرد
چین سے رہتا تھا ہر صبح و مسا
آئی کم بختی نکاح اک جا کیا
جب کہ آتے ہیں بُرے گیدڑ کے دن
اور چڑھتا سر پہ ہی شامت کا جن
دوڑتا تب ہی وہ جانب شہر کی
بچ کے وہ آتا نہیں زندہ کبھی
بیوی جو آئی بڑی چالاک تھی
بد رویہ بے حیا بیباک تھی
رات دن تھا کھانے پینے سی جو کام
پڑ گیا تھا بی چٹوری اُس کا نام
ایک دن مہمان آیا اُس کے گھر
اُس کی خاطر گوشت لایا سیر بھر
بھونتی تھی چولھے پر جب دیگچی
بوٹی اک اک چن کے تریا کھا گئی

دیکھکر ہانڈی کو خالی یہ کیا — لائی باہر سے میاں کو وہ بُلا
اور کہا تم کو نہ آئے گا یقیں — ہے مگر سچ جھوٹ ذرہ بھر نہیں
یہ نگوڑی بلی اِسکو دیکھنا — بیٹھی ہے کیا بھُولا بھالا منہ بنا
کرتی ہے ایلو وہ مُنہ پنجوں سے صاف — مت سمجھنا میرے کہنے کو خلاف
بھُونتی تھی میں مصالحہ گوشت کا — گوشت تھا اِک طاس میں رکھا ہوا
میں لگی چکھنے مصالحہ کا نمک — گوشت کو یہ کر گئی چٹ بیدھڑک
جاؤ جلدی گوشت لاؤ اور تم — آکے پھر کر لینا فکر اور غور تم
گربہ مسکیں کو کیا ہو دیکھتے — گوشت کیا اُٹھا یہ دے گی ٹکو دے
کچھ نہ بولا مرد صاحب دل مگر — جاکے لے آیا ترازو دوڑ کر
پلڑے میں بلی کو رکھا۔ کی نہ دیر — وزن میں پوری وہ نکلی ایک سیر
پھر کہا۔ مجکو بتا اے بے حیا — وزن ہے بلی کا یہ۔ یا گوشت کا
گوشت میں لایا تھا پُورا سیر بھر — دیکھا تھا تو نے بھی اُس دم تول کر
گوشت ہے گر یہ تو بلی ہے کہاں — ہے جو بلی۔ گوشت کا دے پھر نشاں

نتیجہ

جس کی بیوی ہو حسین اور پارسا — ہے اگر مفلس بھی۔ ہے وہ بادشا
جس کی ہو بیوی رفیق و غمگسار — گھر میں حاصل ہے اُسے باغ و بہار
پارسا اور خندہ پیشانی ہو گر — خوبصورت گر نہیں پروا نہ کر

ہے اگر گھر میں گل اندام اور حسین　　بد مزاج و جنگجو چیں بر جبیں
جسکے منہ میں ہاتھ بھر کی ہو زباں　　رہتی ہے شوہر سے ناحق بدگماں
کچھ خبر رکھتی نہیں اولاد کی　　گھر وہ دوزخ سے نہیں کمتر کبھی
موافقت ہے شوہر و زن میں اگر　　حق کی اُس گھر پر ہے رحمت کی نظر
مرد و عورت میں نہیں گر اتفاق　　ہے دلوں میں اُنکے گر بغض و نفاق
قہر رب اُس گھر پہ سمجھو بالضرور　　خواہ اُن میں ایک ہی کا ہو قصور

فائدہ

جھوٹ میں نقصاں ہے سچ میں فائدہ　　یاد رکھ ہے عام یہ اک قاعدہ
مصلحت کا قول ہے بالکل غلط　　اہل دنیا کی بناوٹ ہے فقط
اِک حکایت میں سناتا ہوں تجھے　　اہل حق کی خو بتاتا ہوں تجھے

حکایت (۵۹)

تنگ ہو کر دشمنوں کے جور سے　　ہو کے ناراض اُنکے ڈھنگ اور طور سے
جب نبیؐ نے عزمِ ہجرت کا کیا　　بسترے پر اُنکے لیٹے مرتضےٰؑ
سو گئے چادر نبیؐ کی تان کر　　تا رہیں دھوکہ میں وہ بیدادگر
سمجھے دشمن سو رہے ہیں مصطفےٰ　　راستوں پہ پہرہ ہلکا کر دیا
ساتھ لے صدیق اکبر کو نبیؐ　　چل دیئے۔ وہ شب بہت تاریک تھی

دل تو دونوں کا بہت اُس دم کڑھا
پر یہی تھا مقتضے اُس وقت کا

تھا وطن کے چھوڑنے کا رنج و غم
اِس سے بڑھکر اور کیا ہوگا ستم

اِک جگہ ناکہ پہ پہرے دار تھے
دیکھکر وہ دور سے کہنے لگے

کون ہو تم اور جاتے ہو کہاں
کیا تمھارا کام ہے اِسوقت یاں

یہ کہا احمدؐ نے اے یارِ نکو
امتحاں کا وقت ہے ہُشیار ہو

کذب سے کرنا نہ آلودہ زباں
حافظِ جاں ہے خدائے لامکاں

اے مرے صدیق میرے جاں نثار
حشر کے دن کر نہ مجکو شرمسار

جھُوٹ سے ہرگز نہیں بچسکتی جان
حفظ میں اُسکے ہی جانِ انس و جان

بول دے سچ ہی ترا صدیق نام
جھُوٹ کا کہنا نہیں مردوں کا کام

پھر کہا صدیق نے کھاکر قسم
ہیں ابو بکر اور محمدؐ دونوں ہم

کہہ کے یہ ۔ دونوں نے مارا قہقہا
اور ہنسی میں بات دی اُن کی اُڑا

سُن کے آپس میں لگے کہنے شقی
ہاں تمسخر سے یہ کرتے ہیں ہنسی

ہوتے یہ صدیق اور احمدؐ اگر
نام اپنا کیوں بتاتے بے خطر

جان کا تھا گو اُنھیں پورا خطر
کی نہ پروا مصلحت کی ذرہ بھر

سچ کہا اور جان کی پروا نہ کی
اِس سے بڑھکر کب ہے ممکن راستی

راستبازی سے سدا خوش ہی خدا
سچ کہا ہے سانچ کو ہے آنچ کیا

بچوّں کی تعلیم اور تادیب

اپنے گھر والوں کو اپنے نفس کو	نارِ دوزخ سے بچاؤ دوستو
یعنے یہ کافی نہیں نزدِ خدا	تم کرو صرف اپنے دم سے اتقا
بیوی اور اولاد کے ہو ذمّہ ور	تا گناہوں سے رہیں وہ پرحذر
بچے کو سکھلاؤ تہذیب و ادب	عادتیں نیک اور نیک اطوار سب
شرب کے آداب۔ آدابِ طعام	سب سے پہلے اُس کو سکھلاؤ تمام

بچپن کی تعلیم

بچہ پہنچے جب سنِ تمیز پر	نیک چلنی اُسکے دل پر نقش کر
اُس کا دل ہوتا ہے بالکل موم سا	نقش جو چاہے تو دے اُسپر بٹھا
دلمیں اُسکے دے تو بچپن سے جما	ہر کسی سے خلق خوش سے پیش آ
جھوٹ سے چغلی سے مکر و ہزل سے	حرص سے دشنام سے ہر دم بچے
غیر سے یا خویش سے یا بھائی سے	پیش آئے سب سے بھلمنسائی سے
جھکتا ہے آگے قوی کے ہر ضعیف	جو ضعیفوں سے جھکے ہی وہ شریف

زرّیں قاعدہ

نیکی کرنی چاہیئے انسان کو	ہر کسی کے ساتھ جو جاں دار ہو

ہر جگہ ہر وقت اور ہر طور سے	جس قدر ہو اور جب تک ہو سکے
کہتے ہیں بعض اسکو زرّیں قاعدہ	ہے بہت سادہ مگر پُر فائدہ
حرف حرف اسکا ہے قابل غور کے	سرسری پڑھ کے نہ اسکو چھوڑ دے

طریقۂ تادیب

مان جائے پیار سے بچّہ اگر	اُس کو سمجھا پیار سے غصّہ نہ کر
گر نہ مانے پیار سے کر گوشمال	لاڈ میں بچّہ کا ہوگا بد مآل
اُس کے آگے ہر مناسب وقت پر	ہر بھلی عادت کی تو تعریف کر
بچّہ کوئی کام جب اچھا کرے	دل بڑھا شاباش کہہ انعام دے
مدرسہ جانے کی رکھ تاکید سخت	یہ کہو غفلت نہ کرائے نیکبخت
وقت یہ ہرگز نہ پھر کر آئیگا	ہوگا جب ناچار پھر پچھتائیگا
اور کہو استاد کی تعظیم کر	ہے وہ روحانی پدر تکریم کر
پالتا ہے باپ تیرے جسم کو	وہ خورش دیتا ہے جاں کو نو بنو

تعلیم کی کتابیں

اِک ضروری بات یاد آئی مجھے	ہے جتانا اُس کو بھی لازم تجھے
عشقیہ اشعار غزلیں مثنوی	فحش ناٹک اور ناول ریختی

ایسی چیزوں سے اُسے نفرت دلا
پاس اُنکے یہ کبھو ہرگز نہ جا

زہر قاتل ہیں یہ بچوں کے لیئے
بیج اُن کے دل میں رہتے ہیں چھپے

جبکہ آتی ہے جوانی کی بہار
ناگہاں ہر بیج لیتا ہے اُبھار

وہ شجر ہوتا ہے اُنکا ماحصل
زہر افعی سے بُرا ہے جس کا پھل

بن گئے بچپن میں گر عاشق مزاج
کل یہ ڈوبیں گے اگر ڈوبے نہ آج

تعلیم یا مال

کرکے کوشش جبر کرکے حال پر
جمع کرتے ہیں جو بعضے مال و زر

کچھ نہیں ایمان کا کرتے خیال
سر پہ لیتے ہیں قیامت کا وبال

بال مکھی دیکھتے ہرگز نہیں
ہضم ہے سب کچھ جو ملجائے کہیں

جانتے ہیں وہ بھی یہ مذموم ہے
کس لیئے کرتے ہیں کچھ معلوم ہے؟

باپ کی الفت کا ہے یہ اقتضا
خوش رہے اولاد بھی اُسکی سدا

خود مصیبت جھیلتا ہے اسلیئے
تاکہ اولاد اُسکی سب سُکھ میں رہے

ہوں نہ وہ محتاج اور دریوزہ گر
اور فراغت سے کریں اپنی گزر

پر نکلتی ہے وہ اولاد ایسی بد
باپ کی اُمیدیں سب ہوتی ہیں رد

قدرِ زر کرتے نہیں وہ ذرہ بھر
قدر جانیں خود کمایا ہو اگر

ضائع کردیتے ہیں جلدی مال سب
عیش میں رہتے ہیں غافل روز و شب

اِس سے تو بہتر ہے اے نیکو سیر
ان کی تو تعلیم پر کر خرچ زر

تاکہ وہ پیدا کریں کوئی کمال
علم کی دولت ہی بیشک لازوال

ہی عدو بیٹے کا تو اے ناشناس
چھوڑتا ہے مال جو جاہل کے پاس

عورتوں کی تعلیم

بچّوں کی تعلیم اور تادیب میں
ماؤں کو لازم ہے وہ کوشش کریں

عاقل و خواندہ سُگھڑ ماں ہو اگر
منحصر ہے اُس پہ تعلیمِ پسر

باادب بچّہ ہو ماں ہو گر سُگھڑ
بے ادب بچّہ ہو گر ماں ہو پھوڑ

ماں اگر ہوگی سُگھڑ لکھّی پڑھی
بچّے بھی جاہل نہیں ہونگے کبھی

میں نہیں کہتا کہ سب بی آئے بنیں
جا کے پبلک ہال میں لکچر سنیں

کام کو مطبخ کے سمجھیں عار و ننگ
سوئی دھاگہ دیکھکر ہوویں یہ تنگ

نوکروں پر چھوڑ کر سب انتظام
زیب و زینت سے فقط رکھیں وہ کام

اپنے بچّوں کی نہ لیں مطلق خبر
دل میں شوہر کا نہ ہو خوف و خطر

اِس قدر کافی ہے عورت کیلئے
انتظامِ خانہ داری کر سکے

پڑھ سکے خط۔ کر سکے گھر کا حساب
لکھ سکے خاوند کو خط کا جواب

پرورش بچّوں کی تعلیم اور ادب
کر سکے اچھّی طرح موقع ہو جب

نیک و بد کی اُسکو آجائے تمیز
جان سے خاوند کو رکھّے عزیز

اُس کی عزت کا رکھے ہر دم خیال　　بیہدہ ضائع کرے ہرگز نہ مال

حکایت (۶۰)

ایک دن محمود شاہِ غزنوی　　کر رہا تھا دوستوں سے دل لگی
پاکے موقع اک مصاحب نے کہا　　عرض ہے اِک گر اجازت ہو شہا
شہ نے فرمایا کہ ہاں بے شک کہو　　مسئلہ لیکن مفید عام ہو
عرض ہے میری مصاحب نے کہا　　کیا سبب ہی یہ کہ شاہِ باصفا
ہی ایازِ خوش لقا پر اس قدر　　مہرباں ہیں کون سے اسمیں ہنر
ہے لڑاکا اور چھچھورا اور غبی　　حرکتیں ہیں اسکی طفلانہ سبھی
فوج کے سردار درباری امیر　　بخشی و دیوان مصاحب اور وزیر
سب کے سب ہیں تنگ اسکے ہاتھ سے　　ہر کوئی خائف ہی اسکی ذات سے
شہ نے فرمایا کہ میں اس کا جواب　　بر سرِ دربار دونگا باصواب
یہ کہا اک دن بھرے دربار میں　　امتحاں دو خیر خواہی کا ہمیں
ایک موتی بے بہا تھا شہ کے پاس　　دیکھکر ہوتے تھے حیراں دُر شناس
لاکے ڈبیہ سامنے شہ نے رکھی　　اِک ہتوڑا بھی منگایا آہنی
صدرِ اعظم کو بلا کر سامنے　　یہ کہا سلطان فرخ گام نے
اس دُرِ یکتا کی تو قیمت لگا　　ہے زیادہ لاکھ سے اُس نے کہا

پھر کہا شہ نے نہ کر کچھ بھی خیال   اِک ہتوڑا مار اِسکو توڑ ڈال
سُن کے یہ فرمان سلطانِ جہاں   رہ گیا ساکت وزیرِ نکتہ داں
گر پڑا قدموں پہ فوراً شاہ کے   اور لگا کہنے نہایت عجز سے
دل مِرا دیتا اجازت یہ نہیں   توڑ ڈالوں میں جو یہ دُرِّ ثمیں
خیر خواہی اور نمک خواری کہاں   مال کو شہ کے جو پہنچاؤں زیاں
شاہ نے اُسکی بہت تعریف کی   ایک خلعت بیش قیمت اُسکو دی
سامنے آتا گیا اِک اِک امیر   سب نے کی بے خوض تقلیدِ وزیر
پھر کہا سلطان خوش انجام نے   اے ایاز آ تو ہمارے سامنے
دست بستہ جب سلام اُسنے کہا   دُرِّ یکتا ہاتھ میں اُس کے دیا
اور پوچھا تیری رائے میں ایاس   قیمت اِسکی ہوگی کیا۔ کر تو قیاس
بولا وہ موتی تو یہ اَنمول ہے   ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی یہ شے
گر کہوں دس لاکھ وہ بھی ہے قلیل   اِسکے آگے گنج قاروں ہے ذلیل
شہ نے فرمایا ہتوڑا اک لگا   خوف مت کر ریزہ ریزہ دے بنا
حکم کی تھی دیر۔ اُس جاں باز نے   چُورا موتی کا کیا اک ضرب سے
ایک سناٹا ہوا دربار میں   کھلبلی سی پڑ گئی حضار میں
ہر کوئی کہنے لگا یہ کیا کیا   حق کیا شہ کے نمک کا خوب ادا
یہ جواب اُسنے دیا تم سب کے سب   مستحق ہو تم پہ ہو شہ کا غضب

شاہ کو شایاں ہے کیا؟ فرمانبری
ہے ہمارا کام کیا؟ فرمانبری
ایک موتی کے لیئے زیبا تھا کیا
میں نہ حکم آقا کا اپنے مانتا
حیف تم نے ایک موتی کے لیئے
سب وفاداری کے جوہر کھو دیئے
ایک موتی کیا اگر ہوں دس ہزار
شہ کے سر پر سے کروں سبکو نثار
ہو گئے قائل جواب آیا نہ بن
یوں لگے کہنے کہ اے شاہِ زمن
لطفِ شہ اِس پر جو ہی بیجا نہیں
خیر خواہ اِس سا کوئی اصلا نہیں

فائدہ

دوست ہوتے ہیں جہاں میں اے عزیز
دو طرح کے۔ اُن میں دائم کر تمیز
ایک تو ہوتے ہیں دولت کیلیئے
گرد ہیں تیرے وہ ثروت کیلیئے
مکھیاں ہیں چاہے جتنا تو ہٹا
پیچھا وہ ہرگز نہ چھوڑیں گے ترا
مال ہے جبتک نہ جائیں گے کبھی
جب گئی دولت نہ آئیں گے کبھی
دم میں تو اِن کے نہ ہرگز آئیو
داؤ ان اجلاف سے مت کھائیو
بندۂ زر ہیں نہ اِن کو منہ لگا
دے جواب اِن کو ٹکا سا برملا
دوسرے ہیں دوست تیری جان کے
پیار کرتے ہیں تجھے تیرے لیئے
جوہر ان میں ہیں محبت کے بھرے
خوں پسینے پر گرائیں گے ترے
دیتے ہیں دم دوست پر وہ مبدم
ایسے ہوتے ہیں مگر دنیا میں کم
دم درم سے تو نہ کر اُن سے دریغ
بزم میں گل رزم میں ہونگے وہ تیغ

حکایت (۶۱)

کہتے ہیں بازار میں بغداد کے — چار اندھے مانگتے خیرات تھے
ایک عرب کا دوسرا ایران کا — ہند کا چوتھا تھا ترکی تیسرا
پاس سے گزرا کہیں اِک حق شناس — ایک ہی پیسہ فقط تھا اُسکے پاس
دے کے وہ اُسنے کہا اے بھائیو — چیز لیکر کوئی اس کی بانٹ لو
بولا ہندی میں تو داکھیں کھاؤں گا — ترک بولا میں اوزم منگواؤنگا
کہنے ایرانی لگا اے دوستو — چاہتا ہے میرا دل انگور کو
لال ہو کر غصے سے بولا عرب — بکتے ہو کیا میں خریدوں گا عنب
ہو گئی اُن کو جھگڑتے اک گھڑی — نوبت آخر پہنچی ہاتھا پائی کی
اتفاقاً اہلِ دل اک آگیا — اُس نے پوچھا کچھ کہو تو ماجرا
کس لیئے لڑتے ہو کیوں یہ جنگ ہے — جسپہ جھگڑا ہے بتاؤ کیا ہی شئے
سُن کے وہ ہنسنے لگا اور یہ کہا — لاؤ جھگڑا میں تمہارا دوں چکا
پیسہ کے انگور وہ لایا خرید — ہو گئی پوری وہیں سب کی امید

وطن دوست کی دعا

جہل نے اِس ملک کو گھائل کیا — باہمی جھگڑوں پہ ہے مائل کیا

یا خدا پیدا تو کر اک اہل دل
جس کے کہنے سے یہ دل سب جائیں مل
درمیاں انکے ہیں سب لفظی نفاق
اسلئے ممکن ہے ہونا اتفاق

حکایت (۶۲)

ایک دانا نے بطور چیست آن
بات یہ کی ایک محفل میں بیاں
اک درخت ایسا ہی ہندوستان میں
جس کا سایہ کوسوں ہی میداں میں
جڑ بھی لاتی ہے خبر پتال کی
عمر ہے اُس کی ہزاروں سال کی
دیکھ اونچائی نظر ہوتی ہی تنگ
بادلوں میں غرق رہتی ہی پھننگ
میوہ اُس کا خلق کھاتی ہے تمام
لیکن اُسکے ساتھ ہے یہ اہتمام
پتہ اُس کا ہاتھ لگ سکتا نہیں
پتّہ کی بابت ہی لوگوں کا یقیں
ہو اگر محنت کسی کی باردر
ہاتھ لگ جائے کوئی پتّہ اگر
اُس کی تلخی سے نہ گھبرائے ذرا
کیونکہ ہوتا ہے نہایت بدمزا
اُسکو گر کھا جائے کرکے سخت جی
تا قیامت وہ نہیں مرتا کبھی
اسلیئے سب ہند کے جوگی رشی
کہتے ہیں اُسکو درخت زندگی
سال میں جھڑتے ہیں پتّے ایک دو
کرتے ہیں لاکھوں ہی اِسکی جستجو
اُس کے زیرِ سایہ مردانِ خدا
بیٹھتے ہیں آرزو میں سالہا
بادشاہ کا اک مصاحب تھا وہاں
یہ نہ سمجھا وہ کہ ہے یہ چیست آن

شاہ سے جا کے بیاں سارا کیا — آپ بھی دیں کچھ نمک مرچیں لگا
تھا وزیر اُس کا نہایت ہوشمند — صاحبِ علم و ہنر اور خود پسند
یہ مصاحب اُس سے کچھ ناراض تھا — بادشاہ سے ساتھ ہی یہ کہہ دیا
اور کا تو کام یہ ہرگز نہیں — لائے تو لائے وزیرِ خسرو ہیں
یہ کہا اُسکو بُلا کے شاہ نے — راہ ہندوستان کی فی الفور لے
دو برس دیتا ہوں میں مُہلت تجھے — اُس کے اندر لا کے دے پتّا مجھے
لامحالہ وہ وزیرِ نامدار — چل پڑا لے کر خزانہ بے شمار
تبّت و کشمیر سے سیلان تک — سندھ سے بنگالہ و بھوٹان تک
چھان ڈالے اُسنے سب ہندو دکن — شہر اور کوہ اور میدان اور بن
کر چکا جب وہ خزانہ خرچ سب — ہو لیا پیدل نہ چھوڑی پر طلب
پوچھتا تھا ہر کسی سے اے میاں — وہ درختِ زندگی کا کچھ نشاں
ہنستے تھے سُنتے تھے جو اسکا سوال — کرتے تھے دیوانہ اُسکو سب خیال
رحم کرتا کوئی کوئی دل لگی — الغرض پوری یونہیں مدّت ہوئی
پھرتے پھرتے ہو گیا ناچار جب — کی رجوع اللہ کی جانب اُسنے تب
یہ ہوا الہام اُسکو خواب میں — ہے ہمارا دوست اِک مرغاب میں
مقصدِ دل اُس سے اپنا کر بیاں — وہ ترے مقصود کا دے گا نشاں
خواب میں سُنکر یہ مژدہ جانفزا — دفعتًا مرغاب کی جانب چلا

وہاں ہوا بستی میں جب اُسکا گزر
لوگ جاتے اک طرف آئے نظر
یہ بھی اِس جانب گیا دیکھا وہاں
اک بزرگ خندہ رو شیریں زباں
بیٹھا اُسکے سامنے با صد ادب
داستاں اُسکو سُنائی اپنی سب
سوچ کر اُس مردِ حق نے یہ کہا
تو نے قائل کا نہ سمجھا مدعا
کی نہ کچھ تُو نے معانی پر نظر
لفظوں میں اُلجھا پھرا اے بے خبر
ہے درختِ زندگی علم و ہنر
معرفت حق کی ہے اُسکا برگ تر

اہلِ وطن کو نصیحت

کہتے ہیں دانا کہ نخلِ علم و فن
درحقیقت تھا کبھی ہندی وطن
قدر اُس کی یاں کے لوگوں نے نہ کی
یعنی صدیوں تک خبر بالکل نہ لی
دیکھکر بے عزتی وہ جل گیا
دل ہی دل میں کھا کے غم آخر مُوا
پھل رہا تھا جب وہ ہندوستان میں
لے گئے تھے اِک قلم یُونان میں
کی ترقی اُس جگہ وہ بے بدل
نام یُوناں ہوگیا ضرب المثل
اِک قلم لائے کہیں واں سے عرب
ہوگیا شاداب یُوناں سے عرب
چند صدیوں تک وہاں پُھولا پھلا
خوب ہی پاتا رہا نشو و نما
آخرش آب و ہوا اُس مُلک کی
ناموافق اُس بدیسی کی ہوئی
کھا گئی اُسکو سمومِ جاں گداز
گر پڑی ناگاہ برقِ عیش و ناز

لے گئے پھر اک قلم اہلِ فرنگ / کچھ دنوں بڑھنے میں کی اُس بھی درنگ
ایک مُدت تک یُونہیں ٹھہرا رہا / دفعتہً ایسا وہ پھر پھُولا پھَلا
شرق سے لے غرب تک شاخیں بڑھیں / اور بلندی میں فلک پر جا چڑھیں
مانو احساں بادشاہِ وقت کا / وہ بدیسی اپنے گھر پھر آ گیا
جاگ اُٹھو سوئے بہت اے اہلِ ہند! / پھر ہنسو روئے بہت اے اہلِ ہند!
سینچنا اُسکو تمھارا کام ہے / اُسکے بڑھنے میں تمھارا نام ہے
یہ وطن آوارہ پھر آیا ہے یاں / ہے بزرگوں کا تمھارے اک نشاں
اِس کی خدمت دل لگا کر سب کرو / پھر نہ جل جائے کہیں ایسا نہ ہو

حکایت (۶۳)

اپنے اِک شاگرد سے اُستاد نے / یہ کہا سُن بات میری غور سے
شیشہ اِک ہے طاق میں رکھا ہوا / میرے گھر جا بھاگ کر جلد اُسکو لا
ہوشمند اور باخرد تھا وہ مگر / ایک کے دو اُسکو آتے تھے نظر
آ کر اُس نے یہ کہا اُستاد سے / شیشے ہیں ۲ دو اُس جگہ رکھے ہوئے
تب کہا اُستاد نے ہیں تو ابھی / گھر سے آیا ہوں نہیں گزری گھڑی
شیشہ وہاں اُسوقت اک موجود تھا / دوسرا کیا آسماں سے آ پڑا
یا نِکل آیا زمیں کے پیٹ سے / ہیں یہ سب تیری نظر کے شعبدے

وہ لگا سوگند کھانے بے شمار | پھر کہا استاد نے اے باوقار
کھاتے ہیں سوگند اجلاف و دنی | یہ نہیں عادت کبھی اشراف کی
ہو اگر سچا بھی تو قسمیں نہ کھا | بیہدہ نام خدا لب پر نہ لا
توبہ کی استاد کے آگے وہیں | میں کبھی سوگند کھانے کا نہیں
گو بھرے استاد نے لاکھوں سوانگ | تھی وہی مرغی کی لیکن ایک ٹانگ
دست بستہ عرض کی شاگرد نے | جھوٹ کہنے کی نہیں عادت مجھے
آپ مانیں یا نہ مانیں میری بات | شیشے تو ہیں دو ہی اے والا صفات
ہو گیا ناچار جب استاد تو | یہ کہا سچا ہے تو شیشے ہیں دو
ایک شیشہ توڑ دے جا بیخطر | فکر اپنے دل میں ذرہ بھر نہ کر
دوسرا شیشہ اگر ہو پھر وہاں | بے تامل اسکو تو لے آ یہاں
توڑ ڈالا شیشہ اک احول نے جب | دوسرا اس کو نظر آیا نہ تب
دل میں یہ کہنے لگا وہ ناشناس | لیکے منہ کیا جاؤں اب استاد پاس

فائدہ

کہہ گیا ہے صائب خوش اعتقاد | ایک نکتہ جسپہ سب کرتے ہیں صاد
لیتا ہے کامل سے ناقص بیشتر | عیش دنیا کے مزے اے بے خبر
کیا نہیں احول کو تم ہو دیکھتے | آنکھوں سے لیتا ہی وہ دوہرے مزے

حکایت (۴۶)

ایک اعرابی تھا رستہ پر کھڑا ۔ کُتّا اُس کا اُسکے آگے تھا پڑا
نیم جاں تھا دم تھے باقی تین چار ۔ روتا تھا اعرابی اُسپر زار زار
کہہ رہا تھا یہ نہایت رنج سے ۔ میں جیوں گا کس طرح پیچھے ترے
پاس سے گزرا اِک اہلِ دل کہیں ۔ اُس سے پوچھا کیوں تو ہی ایسا حزیں
کیا سبب ہے اِسقدر روتا ہے کیوں ۔ جان اپنی بے طرح کھوتا ہے کیوں
بولا اعرابی کہ یار باوفا ۔ مر رہا ہے دل مرا ہے کڑھ رہا
جس پہ گزرے جانتا ہے اُسکا جی ۔ کیا خبر تجھکو پرائی جان کی
تھا نہ کتّا یہ تو تھا شیر ژیاں ۔ خوف اس سے کرتا تھا پیلِ دماں
دن کو یہ ہر روز لاتا تھا شکار ۔ رات کو تھا میرے گھر کا پہرہ دار
پوچھا اُس نے اِس کو آخر کیا ہُوا ۔ ہے یہ زخمی یا مرض میں مبتلا
یہ کہا اُس نے بتاؤں کیا تجھے ۔ حال اِس کا ہو گیا کیا بھوک سے
سُن کے بولا لا دوا ہے یہ مرض ۔ صبر کر تجھ کو خدا دیگا عوض
یہ تو بتلا پر مجھے اب اے اخی ۔ پشت پر کیا ہے یہ گٹھری سی دھری
بولا اعرابی کہ ہے یہ زادِ راہ ۔ ہے مسافر کی یہی پشت و پناہ
اِسکے اندر گوشت ہی اور نان ہے ۔ ایک ہفتہ کا فقط سامان ہے

یہ کہا اُس نے کہ اے شوم ولعیں
گتّے کو اِس میں سے دیتا کیوں نہیں

آنکھوں سے تو نے دیا دریا بہا
پر نہ ٹکڑا ایک روٹی کا دیا

بکتی ہر منزل پہ ہی روٹی بہت
تیری نیّت ہے مگر کھوٹی بہت

یہ کہا اُس نے نہیں کچھ میں سڑی
ہے جنوں حد سے محبت جب بڑھی

مُفت میں آنسو۔بہا دیتا ہوں میں
کچھ گرہ سے کھول کیا دیتا ہوں میں

خرچ کرنے کا نہ لو تم مجھ سے نام
گانٹھ کا پیسہ بہت آتا ہے کام

بے ضرورت میں نہ خرچوں گا کبھی
پیسہ ہوتا ہے سفر میں اشرفی

فرض ہی میرا بچاؤں اپنی جاں
ہے مثل سچ۔جان ہی تو ہی جہاں

فائدہ ۱

یُوں تو بیجا سرف دائم ہے بُرا
پر سفر میں ہے بُرا بے انتہا

جب کوئی بہرِ سفر باندھے کمر
زاد کافی ساتھ لے بہرِ سفر

سرف بیجا کیا۔بجا بھی کم کرے
کوڑی کوڑی پر نظر ہر دم کرے

یہ نہ ہو پردیس میں تو خوار ہو
پوچھتے ہیں ہر کہیں زردار کو

تجھ کو لازم ہے بچائے آبرو
جان جائے پر نہ جائے آبرو

فائدہ ۲

ایسے ہوتے ہیں بہت بگلا بھگت
روتے رہتے ہیں بخوفِ آخرت

رونیمیں پانی ہو دل دینے میں سنگ
ہی نرالا اُن کی دینداری کا ڈھنگ

صبح سے بیٹھ کر لا لو تا بہ شام
پر نہ دینگے راہ حق میں ایک دام
ظاہری ہے دینداری کا جلوس
لب پہ ہے قدوس اور دل میں فلوس

حکایت (۶۵)

ایک چوہا اور مینڈک یار تھے
دونوں تھے پگڑی بدل بھائی بنے
اسقدر اُن میں تھی گہری دوستی
تن تھے دو اور جان گویا ایک تھی
باہمی اُلفت کا دم بھرتے تھے وہ
پہروں سرگوشی کیا کرتے تھے وہ
وہ فدا تھا اُسپہ یہ اُسپر فدا
چاہتے تھے ہوں نہ اک لحظہ جُدا
یہ کہا چوہے نے اک دن بھائی جاں
کیا کہوں میری غضب میں آئی جاں
جب کہ تو کرتا ہے پانی میں مقام
کچھ نہیں دیتی مری آواز کام
چیخنا پڑتا ہے اتنا بارہا
چیخنے سے بیٹھ جاتا ہے گلا
پر نہیں دیتا ہے تو مجکو جواب
کون سہہ سکتا ہے روز ایسے عذاب
میں بتاتا ہوں تجھے تجویز ایک
گر مجھے مل جائے ایسی چیز ایک
اک سرے میں ٹانگ ہو تیری بندھی
دوسرے میں ٹانگ ہو میری بندھی
جب مجھے منظور ہو ملنا کبھی
میں ہلا دوں تو نکل آئے جبھی
بولا مینڈک سچ ہے یہ اک کام کر
سامنے تیرے جُلاہے کا ہے گھر
اس میں سے اک تار لمبا کاٹ لا
دیکھ لینا۔ ہو مگر مضبوط سا

کودتا چوہا چلا میدان میں ۔ تارے آیا وہیں اک آن میں
باندھ کے ٹانگیں ہر اک پھر چل دیا ۔ یہ گھسا بل میں وہ پانی میں گیا
دیکھتا تھا ایک کوا سب یہ حال ۔ دِل میں بولا ہاتھ آیا خوب مال
دیکھ کر یہ سازگاری بخت کی ۔ تار لیکر چونچ میں پرواز کی
بِل سے چوہا اور مینڈک جھیل سے ۔ خود بخود آئے گھسٹ تعجیل سے
مینڈک اور چوہے کو جاتا تھا لیئے ۔ دیکھتے تھے وہاں تماشائی کھڑے
ایک نے پوچھا کہ کیا مینڈک کو یار! ۔ زاغ کر سکتا ہے پانی میں شکار!
یہ جواب اُسکو مِلا ممکن نہیں ۔ اُسکو یے ڈوبا ہے پر یہ ہم نشیں
ہم نے تو پہلے کبھی دیکھا نہیں ۔ کوئی کہتا تو نہ کرتا میں یقیں
صحبتِ ناجنس کی شامت ہی یہ ۔ بے خرد کے اُنس کی آفت ہی یہ

نتیجہ

صحبت بد سے رہو تم پر حذر ۔ سچ ہے یہ صحبت کا ہوتا ہے اثر
دیکھ کر اِک خربزہ کو۔ ہے مثل ۔ دوسرا لیتا ہی رنگ اپنا بدل
نیک کی صحبت تمہیں دیگی جِلا ۔ صحبت بد خاک میں دے گی ملا

حکایت (۶۶)

ایک حاسد نے کہیں محمود پاس ۔ جا کے چُغلی کھائی یہ تیرا ایاس (ایاز)

باوفا ہرگز نہیں مکار ہے ۔ اس سے رہنا باخبر غدار ہے
ظاہرا کرتا ہے جاں تجھپر فدا ۔ دلمیں اسکے کچھ نہیں الفت ذرا
ہے اسی دھن میں وہ ہر شام وسحر ۔ کس طرح حاصل کروں میں سیم وزر
بندۂ زر ہے لگی ہے اسکو لو ۔ جمع ہو جائیں خزانے نو بنو
سمت شرقی میں جو حجرہ ہی فلاں ۔ رات کو جاتا بلاناغہ ہے وہاں
حجرہ دیکھو گے نہ اک دم بھی کھلا ۔ اس کو رکھتا ہے مقفل یہ سدا
ہو پیارا اسکا کیسا ہی کوئی ۔ اس کو لے جاتا نہیں اندر کبھی
دل کو میرے ہے یقیں یہ ناسپاس ۔ جمع رکھتا ہے خزانہ بیقیاس
بادشاہ سن کے یہ حیراں رہ گیا ۔ حکم اک سردار کو فورًا دیا
جا ابھی اور قفل حجرہ توڑ کے ۔ یاں اٹھالا جو وہاں تجھکو ملے
وہ گیا اور حکم کی تعمیل کی ۔ شہ کے آگے لاکے اک گٹھری دھری
اتنے میں دربار کے ارکان سب ۔ آگئے تھے ملک کے اعیان سب
بادشہ نے قصہ کل کرکے بیاں ۔ یہ کہا کھولو جو ہے اس میں نہاں
کھولی گٹھری دیکھتے ہیں اسمیں کیا ۔ گھاس کی پاپوش کمبل کی قبا
تھیں پرانی جوتیاں ٹوٹی ہوئیں ۔ اور قبا پر تہہ چڑھی تھی میل کی
شہ نے فرمایا کہ اے مہر جہاں ۔ ہیں یہ چیزیں کیا تو کر انکا بیاں
دست بستہ عرض کی اسنے شہا ۔ تھی یہی پوشاک جب گھر سے چلا

دیکھتا ہوں اسکو ہر روز ایک بار — تا نہ بھولوں اپنے میں اصل و تبار

مہربانی شہ کی ان کو دیکھکر — سوگنی آتی ہے آنکھوں میں نظر

رہ گئے جتنے تھے حاسد سُنکے سُن — چُپ ہوئے مُنہ سے نہ نکلا کچھ سخن

فائدہ

جاہ و عزّت دوسرے کی دیکھکر — دلمیں آئے کچھ ترے غیرت اگر

تو بھی گر کوشش کرے یہ عزم سے — تاکہ اس سا صاحبِ عزّت بنے

رشک ہی یہ۔ پر نہیں عادت بُری — رشک کرنے میں نہ کر ہرگز کمی

رشک و حسد

رشک تیرے دلمیں گر کچھ بھی نہیں — سچ تو یوں ہے آدمیت ہی نہیں

رشک پر ہے کُل ترقی کا مدار — گر نہیں رشک اُسمیں انساں ہی حمار

حسد

گرتا ہے حاسد ہمیشہ سرنگوں — رتبۂ محسود ہوتا ہے فزوں

گر تو چاہے اُسکی نعمت کا زوال — یہ حسد ہے اسکو تو دل سے نکال

یہ بُری عادت ہے اسکو ترک کر — کردیئے برباد اسنے گھر کے گھر

حکایت (۶۷)

کہتے ہیں تھا اِک گدھا سقہ کے پاس — جسکے جینے کی نہ تھی کچھ اُسکو آس

بھوک سے دُبلا ہوا تھا اِس قدر — اُس کے اُڑنے کا ہوا سے تھا خطر
لاغری سے اِسقدر تھا ناتواں — تنکوں میں اٹکی ہوئی گویا تھی جاں
پشت پر تھے جا بجا زخموں کے غار — جن میں کیڑے چل رہے تھے بیشمار
دو قدم تک بھی اگر جاتا تھا وہ — ناتواں تھا ٹھوکریں کھاتا تھا وہ
ناظرِ اصطبل نے دیکھا اُسے — دل کڑھا اُس کا یہ حالت دیکھ کے
تھا تعارف اُسکو سقہ سے قدیم — پوچھا اُس سے کیوں یہ ہے ایسا سقیم
یہ کہا سقہ نے بس ظاہر ہے حال — تنگدستی کا سمجھ لیجے وبال
بولا ناظر سونپ دے اِسکو ہمیں — کچھ دنوں تک چھوڑ دے اصطبل میں
اِک مہینے بعد آکر دیکھنا — رنگ کیا لاتا ہے یہ تیرا گدھا
لے گیا ناظر گدھے کو اپنے ساتھ — جا کے باندھا اُسکو بھی گھوڑوں کے ساتھ
ٹھاٹھ جو اصطبل کے آئے نظر — کھُل گئیں آنکھیں گدھے کی دیکھکر
مستعد سائیس تھے گھوڑوں کے پاس — وقت پر دیتے تھے دانہ اور گھاس
روز مَلتے تھے اُنہیں شام و سحر — سقّے رکھتے تھے زمیں کو تر بہ تر
بھنگی لیجاتے تھے پس خوردہ خوید — چھوڑتے تھے ایک دم بھی وہاں نہ لید
دیکھکر یہ ٹھاٹھ بے چارہ گدھا — دل میں یوں کہنے لگا بارِ خدا
پوچھنا گو تجھ سے ہے سوءِ ادب — مجھ میں اِنمیں فرق اتنا۔ کیا سبب؟
ایک میں ہوں بھوک سے ہوں مر رہا — بے مسالے یہ نہیں کھاتے غذا

جب دیا ہی پیٹ دونوں کو ہمیں — فرق کیوں ہو پھر گدھی میں اسپ میں
پیٹ کے دوزخ کو ایندھن چاہیئے — روح کو تن کا نشیمن چاہیئے
جس قدر گھوڑے وہاں موجود تھے — اتفاقاً جنگ پر بھیجے گئے
آئے واپس کرکے طے جب راہ دور — تھے وہ گھوڑے سب کے سب زخموں سے چور
وہ بدن جس میں تھی ریشم سی چمک — خوں میں تھڑا دُم سے لیکر کان تک
جسم وہ جس پر تھا زرّیں غاشیہ — بھر رہا تھا خون سے تا حاشیہ
تیروں سے چھلنی ہُوا تھا اُسکا تن — خوں نہ تھمتا تھا کیئے لاکھوں جتن
خاک پر اُن کو پچھاڑا باندھ کے — پھَل نکالے تیر کے ہر زخم سے
دیکھکر تکلیف گھوڑوں کی گدھا — توبہ کرکے خود بخود یہ کہہ اُٹھا
کل کی تھی تقریر میری سب خلاف — یا الٰہی کر خطا میری معاف
مجھ کو اِس اصطبل سے جلدی نکال — اِس سے تو بہتر ہے سقہ کی پکھال
کوڑی پر چرنا مجھے منظور ہے — بھوک سے مرنا مجھے منظور ہے
گھاس اور دانہ کو بس میرا سلام — بھول کے بھی اب نہ لوں کا اِن کا نام

نتیجہ

حرص مت کر کام میں رہ اپنے چُست — ہے مثل۔ ہر کارے ہر مردے درست
اُڑ نہ استعداد سے بڑھ کر بلند — "ہر کسے را بہر کارے ساختند"

لطیفہ

باندھتے تھے نعل گھوڑوں کے کہیں
دیکھتی تھی مینڈکی۔ اُسنے وہیں
ٹانگ اُٹھا کے نعلبندوں سے کہا
دیکھنا میرے بھی پانوں تم ذرا
نعل ان میں بھی ذرا تم باندھ دو
ہو جو اُجرت واجبی وہ مجھسے لو

حکایت (۶۸)

راوی صادق بیاں اِک داستاں
ابن سیناسے ہی یوں کرتا بیاں
میں نہیں قائل کسی سے بھی ہوا
ایک بھنگی نے مجھے قائل کیا
سیر کو جاتا تھا میں وقتِ سحر
ایک کوڑی پر ہُوا میرا گذر
گندگی ڈھوتا تھا وہ اور شوق سے
پڑھ رہا تھا شعر اس مضمون کے
جھانک مت اے نفس ذلّت کی طرف
جی اگر جیتا ہے۔ باعزو شرف
تجھ کو آلودہ دنارت سے کبھی (سفلہ پن)
ہونے میں دوں گا نہیں تا زندگی
سُن کے میں اس سے یہ ششدر رہ گیا
غصہ ہو کے الغرض میں نے کہا
کام تو کرتا ہے گندا روز و شب
دعویٰ عزّو شرف پھر ہے عجب
یہ کہا بھنگی نے اے فرخندہ نام
تجھ کو تو زیبا نہیں ہے یہ کلام
تجھ سا فاضل تجھسا عاقل اور طبیب
تجھسا کامل فلسفی تجھ سا ادیب
ہاتھ باندھے بادشاہوں کے حضور
سر جھکائے جیسے کوئی پُر قصور
کیوں کھڑا رہتا ہے ہر لیل و نہار
کیا نہیں آتی تجھے کچھ شرم و عار

تجھ سے شانِ علم کو بٹہ لگا — علم کے شایاں ہے مردی و غنا
تجھکو خالق نے دیا تھا وہ ہنر — قدر کی اُسکی نہ تونے بے خبر
تجھ میں گر ہوتا شرافت کا خمیر — در پہ آتے خود ترے شاہ و وزیر
میں نہیں تجھ سا امیروں کا غلام — رہتا ہوں آزاد۔ کرکے اپنا کام
دست و بازو سے کما کر کھائے جو — چین سے آرام سے سو جائے جو
داغِ ذلت سے وہ پاک اور صاف ہے — سچ اگر پوچھو وہی اشراف ہے
کام گر کیسا ہی ہو خوار اور ذلیل — وہ دنارت کی نہیں ہوتا دلیل
ذاتِ انساں ہے شرافت کا مقر — کام پر ایسا نہیں کچھ منحصر
تا بہ امکاں کام کر وہ اختیار — جس سے نظروں میں نہو اورنکی خوار
خاکروبوں سے کوئی ارزل نہیں — نوکروں سے وہ بھی ہیں بہتر کہیں
یہ غلام آقا کے۔ وہ آزاد ہیں — فکر ہر وقت اُن کو۔ وہ دلشاد ہیں
اِن سے بھی بدتر مگر ہیں وہ بشر — پیٹ جو بھرتے ہیں اپنا مانگ کر
ہے گدائی اور دریوزہ گری — سب سے بدتر اُن سے کچھ کم نوکری
عزت و ذلت میں تجھکو اے عزیز — رائے میں میری نہیں اب تک تمیز
سُن کے یہ پاؤں نہ میر اُٹھ سکا — شرم کے مارے زمیں میں گڑ گیا

حکایت (۶۹)

ہاتھ میں اک باخبر نے کر دیا (چراغ)
دیکھتا پھرتا تھا مُنہ ہر ایک کا

کام تھا اُسکو یہی بس رات دن
دین و دنیا کی طرف سے مطمئن

کوئی بھی چھوڑا نہ بازار اور گلی
جس میں پھر کر جستجو اُسنے نہ کی

ایک نے پوچھا کہ اے مرد خدا
جستجو کرتا ہے کس کی تو بتا

بولا مجھکو آدمی کی ہے تلاش
ایک ہی انسان مجھے ملجائے کاش

تب کہا قائل نے تو آنکھیں تو مل
کچھ نظر میں تو نہیں تیری خلل

پُر ہے انسانوں سے بازار اور سرا
یہ نہیں انساں تو پھر ہیں یہ کیا

بولا وہ ہیں نام کے انساں سبھی
اصل انساں جسکو سمجھیں ہے وہی

بیزباں ہو کر کے دکھلائے جو کام
خشم و شہوت کا نہ ہو ہرگز غلام

ہاتھ میں رکھتا ہو جو ان کی مہار
اُن پہ رکھتا ہو سدا جوتی کی مار

ایسے انساں کی مجھے ہے جستجو
ورنہ یوں پھرتے ہیں انساں کو بکو

نتیجہ

خاصیت یہ عجب انساں کی ہے
ہے جہاں میں وہ بہت اور کم بھی ہے

شکل گو رکھتے ہیں انساں کی سبھی
آدمی ان میں نہیں پر ایک بھی

یوں تو ہیں انساں سے پُر دشت و جبال
ہے حقیقت میں مگر قحط الرجال

یُوں سبھی انسان ہیں تھوڑے بہت
واقعی انسان ہیں تھوڑے بہت

ہیں زماں کے مرد تو صدہا ہزار
مرد ہے درکار ھم کو مرد کار

حکایت (۷۰)

حاضر درگاہ عزرائیل تھا ۔ پوچھا اِس سے حق تعالیٰ نے بتا
جان کو کرتے ہوئے قبض ای صفی ۔ رحم بھی دل میں ترے آیا کبھی
بولا وہ کُڑھتا ہے دل تو بارہا ۔ حکم آقا سے مگر چارہ ہے کیا
ایک دن کا ذکر تو ابتک ہے یاد ۔ دل پہ میرے نقش ہے کل رُوداد
جا رہا تھا یوں سمندر میں جہاز ۔ تیرتی جیسی کہ ہو پانی پہ قاز (راج ہنس)
تو نے فرمایا بھنور میں دو پھنسا ۔ کیل کانٹا اِس کا سب کردو جدا
اُسکے اندر جس قدر تھے آدمی ۔ قبر سب کی قعر دریا میں بنی
اُن میں سے دو دم فقط واں بچ رہے ۔ ایک تختے پر وہ جاتے تھے بہے
ایک ماں تھی ایک بچّہ چاند سا ۔ کھیلتا تھا۔ ماں کی چھاتی پر پڑا
مارتا تھا دست و پا انداز سے ۔ دودھ پیتا تھا وہ کس کس ناز سے
دیکھتی تھی جب کبھی بچّہ کو ماں ۔ ناچتیں آنکھوں میں اُسکی پتلیاں
دونوں تھے بیٹھے ہوئے آرام سے ۔ اور ہوا جاتی تھی تختے کو لیے
جس گھڑی ساحل پہ تختہ جا لگا ۔ دل میں میں تب خوش ہوا بے انتہا
یوں کیا تو نے مجھے اُسدم خطاب ۔ قبض کر بچّہ کی ماں کی جان شتاب
حکم کی تعمیل کی۔ چارہ نہ تھا ۔ مثل بسمل رہ گیا دل لوٹتا

اب تک آجاتا ہے جب اُسکا خیال — تازہ ہو جاتا ہے پھر دل کا ملال
حق نے فرمایا تجھے ہے خوب یاد — آج کی ہے گویا یہ سب رُوداد
فی الحقیقت پر الم ہے داستاں — ہے غضب لیکن ترا حُسنِ بیاں
یہ بھی پر معلوم ہے پھر کیا ہوا؟ — حال اُس بچہ کا آخر کیا ہوا؟
موج کو ہم نے کہا اِسکو اُٹھا — اور فلاں ساحل پہ جا کر پھینک آ
جس جگہ تھا اک سُہانا مرغزار — خار و گُل پر آ رہی تھی اِک بہار
عشق پیچاں اور سبزہ ہم بغل — لوٹتے تھے وہاں زمیں پر بے خلل
چشمہ ہائے آب شیریں بے شمار — کھیلتے پھرتے تھے وہاں لیل و نہار
حکم ہم نے یہ چنبیلی کو دیا — اُسکے نیچے سیج پھولوں کی بچھا
حکم تھا سورج کو وہ چمکے مگر — اِسکو گرمی سے نہ پہنچائے ضرر
اور ہوا کو حکم تھا تاکید سے — ہلکی ہلکی جسم پر اُس کے لگے
ابر کو یہ حکم تھا برسے ضرور — گرد اُس بچے کے لیکن دُور دُور
چار سُو سے آئے تا بادِ خنک — قطرہ اِک پہنچے نہ اُسکے جسم پر
پھل کی کثرت سے جُھکے کُل شجر — مُنہ میں اُسکے دیتے تھے جُھک کر ثمر
شیرنی اِک تازہ بیائی تھی وہاں — اُسکے دل میں رحم ڈالا ناگہاں
دودھ دیتی اُسکو آ کے چند بار — اپنے بچوں سے سوا کرتی تھی پیار
بعد تھوڑے دن کے کوئی بادشاہ — پیچھے پیچھے اک ہرن کے آ گیا

چونکہ یہ رکھتا نہ تھا کوئی پسر ہوگیا مفتون اُس کو دیکھ کر
اور اُسے وہاں سے اُٹھا کر لیگیا گود میں بیگم کی اپنی رکھ دیا
شاہ بیگم کا بنا فرزند وہ اور دونوں کا ہوا دلبند وہ
قد نکالا اُسنے وہ سرِدِ سہی آنکھ جسکو دیکھکر حیراں رہی
شیر ہیکل دیو پیکر پیل تن جنگ جُو زور آور و شمشیر زن
جب ہُوا آخر کو وہ پُورا جواں ہوگیا مغلوب اُسکا کُل جہاں
دودھ کی تاثیر لائی اپنا رنگ دل تھا آہن اور جگر تھا اُسکا سنگ
سنگ دل ایسا بنا وہ خوفناک ظلم کی اُسکے پڑی دنیا میں دھاک
بے گناہ بندے ہمارے سیکڑوں زندہ بھُونکے اور مارے سیکڑوں
جبر سے چھُڑوا دیا لوگوں سے دیں بُت بنا کر اپنے رکھّے ہر کہیں
دلمیں اُسکے اِس قدر آیا غرور تھی رعایا جس قدر نزدیک دُور
جمع جب سب ہوگئے اک آن میں سب کو استادہ کیا میدان میں
اور کہا سجدہ کرو میں ہُوں خدا ورنہ دوں گا آگ میں سب کو جلا
ایک تھا بندہ ہمارا وہاں خلیل زالِ دُنیا کو سمجھتا تھا ذلیل
وہ رہا توحید پر ثابت قدم آگ میں داخل ہوا بے فکر و غم
نار کو گلنار ہم نے کردیا ہکّا بکّا وہ ستمگر رہ گیا

فائدہ

اصل اپنی دیکھ کیا نا چیز ہے
جس سے تو پیدا ہوا کیا تھی وہ شے

اور پھر انجام پر بھی کر نظر
خاک رہ جائے گی آخر مشت بھر

پانی اور خاک اصل ہیں تیری عزیز
کونسی ان میں ہے اترانے کی چیز

مغز میں تیرے بھری ہے جو ہوا
دم ہے اک اسکو نکلتے دیر کیا

بس انہیں پر تجھ کو ہے اتنا غرور
ان پہ ہی بھولا خدا کو بے شعور

اس کے بندوں پر ستم کرتا ہی کیوں
گو را پنی آگ سے بھرتا ہے کیوں

حکایت (۷۱)

کہتے ہیں خوارزم شہ فرخندہ بخت
اک مصاحب سے ہوا ناراض سخت

وہ مصاحب اُس کا یار غار تھا
شاہ پر کرتا تھا اپنی جاں فدا

تھی عقیدت شہ سے اسکو اسقدر
جیسے ہو پروانہ عاشق شمع پر

کوئی لغزش ہو گئی تھی بالضرور
کہتے ہیں ایسا نہ تھا بھاری قصور

کھینچکر تلوار شہ آگے بڑھا
تا کہ اُس کا سر کرے تن سے جُدا

دم بخود تھا خوف سے دربار سب
غصہ سے تھے شاہ کے بیزار سب

پر نہ تھی جرأت کسی کو خوف سے
شاہ سے جاکر شفاعت کر سکے

تھا عماد الملک بھی حاضر وہاں
ضعف پیری سے نہایت ناتواں

وہ بڑھا آگے رکھا سجدہ میں سر
عرض کی ہاں پہلے مجکو قتل کر

یہ نہیں ہرگز گوارا ہے مجھے ۔ خون ناحق تیری گردن پر چڑھے
سر کیا ہے تیری خدمت میں سپید ۔ عرض میری رد نہ ہوگی ہے امید
قہرِ شہ۔ سُن کر یہ دھیما پڑ گیا ۔ ہاتھ سے تلوار کو کر کے جُدا
سر اُٹھایا اُس کا اپنے ہاتھ سے ۔ اُسکے ہاتھوں پر کئی بوسے دیئے
کی معاف اُس شخص کی فوراً خطا ۔ سر دیا اپنا ندامت سے جُھکا
تھا مناسب اُس مُصاحب کیلئے ۔ بارِ احساں سے عماد الملک کے
سر اُٹھا سکتا نہ اک لحظہ کبھی ۔ بندہ رہتا اُس کا وہ تا زندگی
شکر کی جا یہ مگر اُس نے کیا ۔ بولنا تک ترک اُس نے کر دیا
اُس کا جب چرچا ہوا دربار میں ۔ شہر میں کوچوں میں اور بازار میں
یہ کہیں پوچھا کسی نے ایک دن ۔ ہے تو پاگل یا چڑھا ہے تجھ پہ جن
تو عجب ناشکر ہے اے پُر غرور ۔ کیا کیا تیرا بھلا اُس نے قصور
تجھ کو سولی پر سے وہ لایا اُتار ۔ ہے یہی اس کا عوض لے بدشعار
یہ کہا اُسنے کہ شکوہ ہے مجھے ۔ بیچ میں کس نے لگایا تھا اُسے
شاہ آقا اور میں بندہ شاہ کا ۔ جو وہ کرتا مجھ کو سب منظور تھا
بخشتا یا مارتا۔ اُسکی خوشی ۔ اُس نے میری بات کردی کِرکری

حکایت (۴۲)

کہتے ہیں یہ۔ جبرئیل حق شناس — آئے اک دن جب خلیل اللہ کے پاس
جب انہیں پیغام ربّی دے دیا — یہ سوال اپنی طرف سے بھی کیا
کام جو لائق مرے ہو وہ بتا — گر کوئی حاجت تجھے ہو وہ بتا
سُن کے فرمایا خلیل اللہ نے — اُس موحّد اور حق آگاہ نے
حاجتیں بے شبہ ہیں مجکو مگر — حق نہ دکھلائے مگر اوروں کا در
کونسی حاجت ہے بندہ کی بتا — جسکو اُس کا رب نہیں ہے جانتا
خواہشیں دل کی سب اُسپہ ہیں عیاں — کیا ضرورت جو کروں تجھ سے بیاں

فائدہ

واسطہ بندہ میں اور اللہ میں — کیوں ہو گر کامل یقیں بندے کریں

حکایت (۴۳)

کہتے ہیں تھا ایک عالم معتبر — شوق تھا اُسکو سفر کا اسقدر
اِک جگہ دو دن نہ کرتا تھا مقام — تنگدست اور خستہ رہتا تھا مدام
پانوں میں جوتی نہ تھی ننگا تھا سر — رہتا تھا میلا کچیلا بیشتر
تھا سفر میں ایک بار اُس راہ سے — اِک گنوار آتا تھا اونٹ اپنے لیئے
اُس سے پوچھا ہاں بتا اے چودھری — گون میں کیا جنس ہے تونے بھری
یہ کہا ہے اِک طرف غلہ بھرا — دوسری جانب ہی بورا ریت کا

پوچھا اُسنے ریت ہے ناچیز شے　　فائدہ کیا اِسکے لیجانے میں ہے
بولا وہ۔ یہ ریت ہے صرف اِسلیئے　　وزن تا دونوں طرف یکساں رہے
یوں کہا عالم نے اُس سے مردِ نیک　　میں بتاتا ہوں تجھے تجویز ایک
اونٹ بچ جائے گا تیرا بوجھ سے　　ریت کو فوراً زمیں پر ڈال دے
گون میں غلّہ جو ہے دو حصّے کر　　آدھا آدھا دونوں گونوں میں تو بھر
سُن کے اُسکی بات حیراں رہ گیا　　مُنہ کو اُسکے غور سے تکنے لگا
شُکر کرکے اُس مُسافر کا ادا　　اُسکے کہنے پر عمل کرنے کو تھا
شُبہہ اُسکو ناگہاں پیدا ہُوا　　دل میں اپنے چھانٹنے منطق لگا
بات تو اِس نے بتائی عقل کی　　مجکو تو تدبیر یہ سوجھی نہ تھی
پھر سبب کیا ہے یہ ایسا خوار ہے　　اِسمیں تو بے شک کوئی اسرار ہے
اور نظر اُس شخص کی دونو پہ تھی　　تھی کبھی اُسپہ کبھی گونوں پہ تھی
کرکے دل میں فکر بولا بھائی جاں　　مجھ سے پوشیدہ نہ کر اپنا نشاں
گر نہیں ہے بادشہ کا تو وزیر　　کم سے کم تو شاہ کا ہوگا مشیر
تیری دانائی سے کرتا ہوں قیاس　　مال و زر ہوگا بہت کچھ تیرے پاس
یہ جواب اُسنے دیا کوڑی نہیں　　خشک روٹی بھی مجھے ملتی نہیں
یوں ہی بس عسرت سے کرتا ہوں بسر　　پیٹ بھر لیتا ہوں ٹکڑے مانگ کر
ہے زمانے کی کجی کا اقتضا　　یہ روپیہ کچھ نہیں اس کا نیا

جس قدر ہوتا ہے انساں باکمال
پاؤ گے اُتنا ہی اُسکو خستہ حال

عقل میں انساں بڑا ہو جس قدر
ہوتا ہے اُتنا ہی وہ محتاج تر

جب سُنی یہ گفتگو حیراں رہا
ہاتھ دونوں باندھکر اُس سے کہا

عقل اپنی آپ رکھیئے اپنے پاس
مجکو کافی ہیں یہ معمولی حواس

اپنی جاں سے میں نہیں بیزار کچھ
عقل یہ مجکو نہیں درکار کچھ

یہ مجھے کہنا پڑا اب صاف صاف
جائیے آگے مجھے رکھیئے معاف

فائدہ (۱)

علم کو مت کر وسیلہ رزق کا
علم کا ہے اِس سے برتر مرتبا

علم کی دولت ہے خود وہ لازوال
جسکے آگے ہیچ ہے دنیا کا مال

دولت وافلاس سے۔ کر تو یقیں
فرق شانِ علم میں آتا نہیں

دانا مفلس اور جاہل اہلِ مال
بالکل اِن دونوں کی ہے ایسی مثال

گردنِ خر میں اگر ہو طوقِ زر
اور زرّیں غاشیہ ہو پشت پر

نیز اپنے مُنہ میاں مٹھو بنے
اسپ تازی اُسکو کہنے سے رہے

اسپ تازی ہو۔ اگر دُبلا کمال
ضعف سے چلنا بھی ہو اُسکو محال

ٹھوکریں گو۔ ہر قدم پر کھائیگا
پر گدھا ہرگز نہ وہ کہلائیگا

فائدہ (۲)

کچھ زمانے کا مگر بدلا ہے رنگ
صاحبِ علم اب نہیں رہتا ہی تنگ

ہر طرف اب علم ہی کی پوچھ ہے | علم پر ہے منحصر ہر ایک شئے
دور دورہ علم کا ہر سو ہے اب | کام اب آتا نہیں خالی نسب
زور کی بھی پیش اب جاتی نہیں | وقت اب تلوار کا باقی نہیں
علم اور دولت کا اب توزور ہے | اور قلم کا کل جہاں میں شور ہے
ہے ذریعہ علم ہی دولت کا اب | علم ہی ہے کل ترقی کا سبب
اب تو علم و عقل ہی ہتیار ہیں | اور سب ہتیار اب بے کار ہیں
علم نے تابع سمندر کر لیئے | اور عناصر کل مسخر کر لیئے
ہے بدولت علم کے یہ انقلاب | ادنےٰ اعلےٰ ہو گئے اعلےٰ خراب
نیم وحشی پڑھ کے انساں بن گئے | بے ہنر تہذیب کی جاں بن گئے
جہل سے شاہ اور امیروں کے پسر | مانگتے پھرتے ہیں ٹکڑے در بدر
کر دیئے اس جہل نے حق کی پناہ | خانداں کے خانداں ویران۔ آہ

تشریح

علم سے لیکن نہیں میری غرض | ہے ہمارے عالموں کو جو مرض
پڑھتے ہیں وہ شئے جو کار آمد نہیں | کرتے ہیں حاصل نہ دنیا اور نہ دیں
پڑھتے ہیں قرآں نہ پڑھتے ہیں حدیث | مدتوں سے پڑھتے ہیں علم خبیث
جو سکھاتا ہے فقط جنگ و جدل | اصطلاحیں چند بے معنی زٹل
مُرغبازی کے سکھاتا ہی جو ڈھنگ | عُجب و نخوت کا چڑھاتا ہی جو رنگ

پڑھتے ہیں سیرت نہ پڑھتے ہیں ادب
جانتے ہیں کچھ نہ تاریخ اور نسب

حرف اک پڑھتے نہیں اخلاق کا
کیا وہ جانیں ہے ریاضی کیا بلا

نابلد علم طبیعی سے ہیں سب
جانتے ہیں کفر تفتیش سبب

پڑھتے ہیں برسوں ہیں متنِ کافیہ
جانتے بالکل نہیں جغرافیہ

کہتے ہیں کس کام آئے گی یہ شئے
منزلوں کو کیا ہمیں کرنا ہے طے

غافلوں کو یہ نہیں اب تک خبر
ہے یہی تو علم مفتاحِ ظفر

ہے یہ سب جغرافیہ ہی کا طفیل
ہے یہ سب طے منازل ہی کی ذیل

حکمراں ہر جا جو ہیں اہلِ صلیب
چمکا ہے اس علم سے انکا نصیب

ربع مسکوں انکا ہے زیرِ نگیں
اس سے ہی پھیلا ہے ہر جا انکا دیں

ہے حکومت ہر جگہ تثلیث کی
ہر جگہ توحید ہے رُو بر کمی

درحقیقت جو ہمارا فرض تھا
مشنری کرتے ہیں اب اُسکو ادا

کہتے ہیں دنیا ہے میز مستوی
بیل کے سینگوں پہ ہے رکھی ہوئی

گرد دنیا قاف ہے بالکل محیط
خاک و باد و آب و آتش میں بسیط

یہ جہالت اُسپہ پھر دعوی ہے یہ
مثل سابق اب بھی تو فتوی ہے یہ

جو اولی الامر آیا ہے قرآن میں
آیا ہے وہ آپ ہی کی شان میں

عالمانِ دین ہیں اُن سے مراد
فرض ہے لوگوں پہ اُن کا انقیاد

آیت اکملت کے مصداق آپ
ہر طرح کے علم میں ہیں طاق آپ

دین کی ہو بات یا دنیا کی بات — بحث میں نیک یا اللہ کی ذات
آپ سے پوچھو اگر اشکال ہو — ہو کہیں اغلاق یا اجمال ہو
ہیں یہی اِس ناؤ کے گرنا خدا — رحم کر اِس ناؤ پر تو یا خدا
ایسے جاہل جسکے ہونگے شارعیں — خیریت اُس قوم کی ہرگز نہیں

لطیفہ

دو مصاحب بادشاہِ ہند کے — تھے مقرّب اور نہایت مُنہ چڑھے
خلوتِ شاہی میں دائم باریاب — تھے بڑے لسّان اور حاضر جواب
کر رہے تھے ایک دن باتیں بہم — چُپکے چُپکے شوق سے بے فکر و غم
بادشاہ محلوں سے آئے اور کہا — جھُوٹ کے پُل باندھتے ہو کیوں بھلا
اِک مصاحب نے دیا فوراً جواب — ہے درست ارشاد اے عالیجناب
ہے مگر یہ عرض اے ابرِ کرم — آپ ہی کی کرتے تھے تعریف ہم
جسکو فرماتے ہو کذب و افترا — ہے وہ سب حضرت ہی کی مدح و ثنا

حکایت (۴۴)

اِک سپاہی اپنے گھوڑے پر سوار — جا رہا تھا پاشنہ گھوڑے کو مار
دیکھتا کیا ہے کہ رستہ میں پڑا — بے خبر سویا ہُوا اِک شخص تھا
سانپ اِک چھوٹا سا جو تھا ہاتھ بھر — دوڑا آیا تھا۔ اُسے دشمن کا ڈر

منہ کھلا دیکھا جو اُس نادان کا | بل سمجھ کے فوراً اُسمیں گھس گیا
اُس نے کی جلدی اُترنے میں مگر | سانپ کا بچہ نہ پھر آیا نظر
پر رہا دل میں نہ اُسکے شک ذرا | سانپ اُس غافل کے مُنہ میں گھس گیا
کچھ نہ سوجھی اُسکو تب تدبیر اَور | یہ نہ تھا موقع کہ کرتا اِس میں غور
چند مُکّے غافل و نادان کے | خوب گُدّی پر لگائے تان کے
وہاں سے بھاگا کھا کے مُکّے شور بخت | متصل ہی سیب کے تھے کچھ درخت
اُس جگہ ٹھیرا وہ جا کر۔ اِس نے بھی | اُسکو فرصت سانس کی لینے نہ دی
دیکھے اُس نے اُن درختوں کے تلے | سیب بوسیدہ بہت سے تھے پڑے
یہ کہا اُس سے کہ اب اے نیک پے | خیر اپنی گر تجھے منظور ہے
جس قدر یہ سیب ہیں سارے تو کھا | ورنہ کرتا ہوں میں سر تن سے جُدا
کھاتے کھاتے سیب جب وہ تھک گیا | اور کلیجہ اُس کا غم سے پک گیا
یہ کہا اُس سے کہ اچھا دوڑ اب | دم نہ لینا ایک ساعت تا بہ شب
عرض کی اُس نے بعجز و انکسار | رحم کر مجھپر کہ اب ہے حال زار
فہم میں آتی نہیں کچھ میری بات | تھی عداوت کب سے تجکو میرے سات
ٹکڑے کر ڈال ایک دم تلوار سے | قبض کر لے جان تا جھگڑا مٹے
مارے تیری نہایت تنگ ہوں | آدمی ہوں میں نہ آخر سنگ ہوں
اِس طرح دیتا ہے کیوں مجکو عذاب | پر دیا سُن کے نہ اُسنے کچھ جواب

جب کبھی وہ ٹھیرتا تھا لخظہ بھر	یہ لگاتا کوڑا اُس کی پشت پر
الغرض ہیجان صفرا جب ہُوا	زور سے قے پر وہ قے کرنے لگا
قے جو آئی دفعتاً اک زور کی	سانپ بھی آیا نکل یکبار گی
دیکھ کر آنکھیں کُھلیں نادان کی	تب وہ سمجھا نیت اسکی نیک تھی
شکر کر کے اُس کے قدموں پر گرا	لی بلائیں اور گرد اُس کے پھرا

فائدہ

باپ اور اُستاد گر سختی کریں	اور سخت و سُست بھی تجکو کہیں
گو بُری لگتی ہے یہ سختی اِس آن	حق میں اپنے اُسکو تو اکسیر جان
جو مصیبت میں یہ دونوں بھر رہے	سب یہ ہے تیری بھلائی کیلئے
فرض ہے اُن کا بجا لاتے ہیں وہ	حق کے آگے سُرخرو جاتے ہیں وہ
ہے سعادت گر تجھے مدِ نظر	تو بھی اُن کے حکم کی تعمیل کر

حکایت (۵۷)

حضرتِ موسٰے نبیِ محترم	صاحبِ تورات فرخندہ شیم
پیشتر اِس سے کہ پیغمبر بنیں	اور اپنی قوم کے رہبر بنیں
بکریوں کو پال کر قوتِ حلال	کرتے تھے حاصل وہ شاہِ باکمال
ایک بکری یک دن پیچھے رہی	دشت میں وہ رات بھر بھٹکی پھری

رات بھر کرتے رہے موسٰے تلاش — ہو گئے پیر آبلوں سے پاش پاش
تھا تکان اور کوفت کا تو کیا حساب — سو چکر ٹانگیں بھی دے بیٹھیں جواب
اک جگہ بکری ملی وقتِ سحر — تھک کے وہ بیٹھی ہوئی تھی خاک پر
پر ذرا غصے نہ کچھ موسٰے ہوئے — لپٹے اُس کو پیار سے بوسے دیئے
پانوں دابے اور جھاڑے اُسکے بال — صاف کی ہاتھوں سے اُسکے منہ کی رال
یہ کہا اُس سے مری جاں دے بتا — ہو گئی تھی کیا کوئی مجھ سے خطا
مانا تجکو میری کچھ پروا نہ تھی — اپنی بھی تکلیف کی پروا نہ کی
سردی سے اکڑے ہوئے تھے دست و پا — گود میں اپنی لیا اُسکو اُٹھا
اُلفت اُسپر آپنے کی جس قدر — ماں بھی اُلفت کیا کرے گی پوت پر
دیکھکر یہ حال خالق نے کہا — اے فرشتو! تم نے دیکھا حوصلہ؟
شایاں اُسکو قوم کی ہے سروری — یہ ہے بے شک لائق پیغمبری

فائدہ

کیا پسندیدہ ہے قولِ مصطفٰے — کوزے میں گویا کہ دریا بھر دیا
کس قدر موجز ہے یہ قولِ رسول — بھر دیئے جسمیں حکومت کے اصول
قوم کا سردار ہے وہ نیک خو — قوم کا خادم جو جانے آپ کو"
اسپہ گر حاکم کریں اپنا عمل — آئے کیوں اُنکی حکومت میں خلل
قوم میں اک بھی نہ پاؤ پھر دکھی — ہو سکھی راجا بھی پرجا بھی سُکھی

جس قدر دنیا میں پھیلی ابتری   اصل اسکی ہے غلط فہمی یہی
کہتے ہیں حاکم کہ ہیں مخدوم ہم   ہے خدا کا ہم پہ سب فضل و کرم
خالق اکبر نے دی عزت ہمیں   بادشاہی تھی لکھی تقدیر میں
حق ہمارا ہے کہ ہم شاہی کریں   لے کے لوگوں سے خزانوں کو بھریں
پوچھنے والا نہ ہو ہم سے کوئی   چاہے ہم کچھ ہی کریں نیکی بدی
یہ نہیں منشائے قول مصطفےٰ   بلکہ یہ مطلب ہے ان الفاظ کا
قوم آقا اور شہ خادم بنے   ہوں حقوق اسکے وہی جو قوم دے
وہ ہو حاکم جس کو اجماع کثیر   منتخب کرکے کرے اپنا امیر
جبر سے ہوتی جو جائز سروری   خادم قوم اسکو کیوں کہتے نبیؐ
گر نہ ہو آقا کا اتنا اختیار   گر نہ ہو طاقت کو اسکی اعتبار
چاہے جسکو اپنی خدمت میں رکھے   کاہل اور خائن جو ہو رخصت کرے
خادم اس کا کیا ہوا آقا ہوا   قول صادق کا غلط منشا ہوا

فائدہ

سیرت شیخین کی تقلید کر   زاہد اور محتاط تھے جو اسقدر
ایک حبہ تک بھی بیت المال سے   خرچ اپنے نفس پر کرتے نہ تھے
اپنے عم زادوں کو اور اولاد کو   آل کو بھائی کو یا داماد کو
فائدہ ہرگز نہ پہنچایا کبھی   غیر تھے عامل انہیں تاکید تھی

سب امانت سے کرو فرماں دہی | پاسبانی اور رعیت پروری
اُن کی نیت کا صِلا اُن کو یہ پھل | اب تک اُن کا عہد ہے ضرب المثل
یہ نتیجہ تھا اُسی تعلیم کا | تھا نہ جس میں کچھ غرض کا شائبہ
گر غرض ہوتی رسالت میں نہاں | ہوتا گر مقصود شاہیِ جہاں
اور سمجھتے وہ مقدم اور زیاد | قوم سے خود ذات کا اپنی مفاد
کرتے وہ اپنے چچا کو جانشیں | یا نواسوں کو امیر المومنیں
صاف تھی نیّت رسولِ پاک کی | بات یہ بھی اپنے پر آنے نہ دی
ورنہ یہ کہتے سبھی اہلِ نفاق | طعن کرتے سب کے سب اہلِ شقاق
دیکھئے کہتے تھے ہم آغاز سے | تھا یہ مطلب جسکے یہ سامان تھے
تھی یہی حکمت کہ اک نصِ صریح | اِس کے بارے میں نہ پاؤ گے صحیح
اِس قدر اِس امر میں کی احتیاط | پیش بینی سے کیا یہ انضباط
بھُوکا ہو گو ہاشمی نیک ذات | مومنوں سے لے نہیں سکتا ذکات
قاعدہ ایسا نہ وہ گر باندھتے | بھُوکے مرتے سب ہی مفلس قوم کے

نتیجہ

جو ارادے تھے نبیؐ کے ذہن میں | جانتا تھا اُن سے بہتر کون اُنہیں
کِس طرح سے جان سکتا تھا کوئی | تھے وہ دونوں رازدارانِ نبیؐ
عمر بھر تھے وہ شریک مشورت | جانتے تھے خوب دیں کی مصلحت

پوری پوری کرکے تقلیدِ نبیؐ
نیو پختہ رکھ گئے اسلام کی

جانشینوں نے خطائیں بھی جو کیں
نیو کو صدمہ نہ کچھ پہنچا سکیں

اب بھی ہے اسلام کا جو رعب داب
یا خدا رکھ اِسکو تا یوم الحساب

ڈر سے تھرّاتے ہیں دشمن نام سے
چھیڑ کرتے ڈرتے ہیں اسلام سے

ڈالتے ہیں ہاتھ لیکن روک کے
پانوں اُنکے کانپتے ہیں خوف سے

الغرض باقی ہے جو کچھ نام شئے
سب طفیلِ حضرتِ فاروقؓ ہے

نتیجہ

ڈنکا جن کا بجتا ہے عالم میں اب
ہے یہی اُن کی ترقی کا سبب

چلتے ہیں وہ سُنّتِ شیخین پہ
رکھ کے اُنکے قاعدے پیشِ نظر

حکم نبی کے اُصول اُنسے لیئے
قاعدے اُسکے حصول اُنسے کیئے

چھوڑ بیٹھے جنکو تم مُدت ہوئی
ہو اُسیدن سے مگر رُو بکمی

اب بھی ہے پہلی سی ممکن برتری
گر کرو تم پیروی شیخینؓ کی

فائدہ

دو نظیریں ہیں یہ ایسی بے بہا
بادشا اب بھی کریں گر اقتدا

پردۂ ادبار ابھی جائے الٹ
جائے فوراً قوم کی کایا پلٹ

جھوٹے مہدی اور مسیحا کے مثیل
کرتے ہیں اسلام کو خوار اور ذلیل

اُن سے کچھ ہوتا نہیں آتا نظر
قوم کو درکار ہے اِک اور عمرؓ

دشمنوں کے بد نظر آتے ہیں طور	چاہیئے اسلام کو فاروق اک اور
وقت نازک اور عدو عیار ہے	ابن ایوب اور اک درکار ہے

حکایت (۷۶)

ہے روایت اس طرح عطار سے	مرشد حق بین و خوش گفتار سے
لے گیا محمود شہ فرخندہ نام	لوٹ میں ہندوستاں سے اک غلام
ہو گئی اس پر عنایت کی نظر	دی جگہ اس کو برابر تخت پر
فوج کا افسر کیا دیوان کیا	اور لقب فرزند اس کو دے دیا
وہ مگر روتا تھا پھر بھی زار زار	آنسوؤں کا ایک بندھا تھا تار
یہ کہا شہ نے کہ اے جان پدر	باعث زاری بتا مت شرم کر
دیکھ تو سارے امیر اور کل وزیر	فوج بھی کل اور کل میرے مشیر
دست بستہ تیرے آگے ہیں کھڑے	ہوں ستارے گرد جیسے چاند کے
عرض کی اس نے کہ اے بندہ نواز	ہے تری ہستی سے اک عالم کو ناز
دل ترا ہے معدن جود و سخا	ہاتھ ہے کان کرم بحر عطا
خالق بخشندہ و رحمان نے	کوٹ کے رحمت بھری دل میں ترے
عدل میں اور رحم میں ضرب المثل	فتنہ سے ہے ملک تیرا بے خلل
علم کا بھی قدرداں ایسا ہی ہے	مفلسوں پر مہرباں ایسا ہی ہے

بچہ میں جب تھا تو ہندستان میں
نام سے تیرے ڈراتے تھے ہمیں

ماں خفا ہوتی تو کہتی تھی مجھے
"دفع ہو محمود لے جائے تجھے"

ق
باپ کو یہ سن کے ہوتا تھا ملال
ماں سے میری کہتا تھا اے بد خصال

کیا زباں ہے کاٹ لوں تیری زباں
رحم کا دل میں نہیں تیرے نشاں

کوسنا کیا اور دنیا میں نہیں
قہر رب محمود ہے اے بے یقیں

اس طرح کرتے تھے جب وہ قیل قال
دل میں اپنے میں کیا کرتا خیال

یا خدا کیا چیز یہ محمود ہے
برق ہے فرعون ہے نمرود ہے

نام کے سنتے ہی ہو جاتے کھڑے
ڈر کے مارے جسم پر کل رونگٹے

اب بجائے اسکے ہوں میں دیکھتا
اک فرشتہ تخت پر بیٹھا ہوا

جب کبھی نظروں میں پھر جاتا ہے اب
خواب کا عالم نظر آتا ہے سب

کاش ہوتے یاں مری ماں اور باپ
منفعل ہوتے وہ اپنے دلمیں آپ

حکایت (۷۷)

پوچھا اک درویش سے کیوں شاہ جی
ہے گزرتی کس طرح اب زندگی

بولا وہ کیا پوچھتے ہو اس کا حال
حکمرانی کو نہیں جس کی زوال

پوچھنا کیا حال اس کا اے میاں
حسب مطلب جس کے ہو کار جہاں

آسماں دریا ستارے اور ہوا
جسکے کہنے پر چلیں صبح و مسا

آدمی وحش اور ملائک اور طیور	ہوں رضا کی جسکے تابع بالضرور
منحصر بالکل ہوں جسکے قصد پر	کاروبار دین و دنیا سربسر
سُنکے سائل نے کہا شک اسمیں کیا	آپ کا رتبہ ہے اِس سے بھی سوا
پر ذرا تشریح تو کچھ کیجیے	فہم میں آجائے تا ہر خام کے
یہ کہا اُسنے یہ ہے سیدھی سی بات	کون سے پیچیدہ ہیں اسمیں نکات
جو کوئی یہ مانتا ہو بالیقیں	امر خالق سے کوئی باہر نہیں
پتہ اُس کے حکم بن ہلتا نہیں	حبہ اُس کے حکم بن ملتا نہیں
کردے اک دم میں نہاں کو وہ عیاں	چاہے تو کردے فنا پل میں جہاں
حسبۃً للہ ہو جس کی دوستی	موت میں جانے رضا اللہ کی
جینا ہو تو ہو خدا کے واسطے	کینہ ہو تو ہو خدا کے واسطے
بیم دوزخ اور امیدِ جناں	دلمیں اُسکے کچھ نہ ہو انکا نشاں
آدمی ایسا اگر ہو بے ریا	کیوں جہاں تابع نہ ہو اِسکا بھلا
ہو رضا خالق کی اور اُسکی جو ایک	ہاتھ میں ہو اُسکے سب بد اور نیک
حال کیا ہو اِس کا اچھا یا بُرا	جب نہیں اُسکو شکایت اور گلا

فائدہ

یہ کتابوں میں لکھا ہے جابجا	وہ ہے مسلم جسنے دی گردن جھکا
ہو گیا راضی رضائے رب پہ جو	ڈال دی دریا میں کشتی ہو سو ہو

پہنچا وہ سالم اگر دریا کے پار
شکر خالق کا کیا اپنے ہزار

ٹوٹی اُسکی ناؤ دریا میں اگر
وہ نہ لایا میل دل پر ذرہ بھر

دل میں ہو بیٹھا ہوا اُسکے یقیں
قادر مطلق بُرا کرتا نہیں

بلبل شیراز فخر ناصحاں
کر گیا ہی بوستاں میں یوں بیاں

ہے موحد در حقیقت وہ سعید
خوف ہو جس کو نہ جس کو ہو امید

ہو کشیدہ تیغ گر بالائے سر
گر دا سکے زر کی ہو بارش اگر

ڈر نہ اسکا ہو نہ اُسکی ہو کچھ آس
ہو کسی سے بھی نہ امید و ہراس

دل ہو اُس کا ماسوی اللہ سے تہی
ہے یہی بنیاد بس توحید کی

حکایت (۷۸)

کہتے ہیں اک شخص نے اک شخص کے
ٹانٹ پر چانٹا لگایا زور سے

نکلی اک آواز اُس میں سے تڑاق
دی بہت معلوم اُسکو ضرب شاق

دل میں اُس سے ہو گیا بیزار وہ
مارنے مرنے کو تھا طیار وہ

آستینیں لیں چڑھا آگے بڑھا
جس نے مارا تھا وہ یہ کہنے لگا

مار کھانے کو میں حاضر ہوں مگر
دے جواب اک بات کا پہلے اگر

یہ تڑاق آواز جو تو نے سنی
تھی ترے نزدیک یہ کس چیز کی

ہاتھ سے میرے یہ نکلی ہے صدا
یا ترے سر سے ہوئی پیدا بتا

بولا وہ مجھکو فراغت اس قدر | درد سے حاصل نہیں لے بے خبر
تا کروں اسباب میں میں غور کچھ | دل پہ میرے بن رہی ہے اور کچھ
دے لگانے جلد اک چانٹا مجھے | تجھ کو بھی اس فکر کا موقع ملے
حل کرینگے دونوں مل کے مسئلا | شیشے دہ دیں گے بتا حال قفا

حکایت (۷۹)

ملک ایراں میں نمائش کے لیئے | چند ہندی ایک ہاتھی لے گئے
رکھا اک تاریک گھر میں یوں نہاں | تا نہ دیکھے بے دیئے سارا جہاں
چار شائق آئے اور کھا کر قسم | یوں کہا دن میں نہیں آسکتے ہم
ہاتھی اپنا گر دکھا دو اب ہمیں | تم جو مانگو گے وہی دینگے تمھیں
اس قدر تاریک تھی وہ کوٹھڑی | کوئی شئے ہرگز نظر آتی نہ تھی
اک گیا اندر ٹٹولا ہاتھ سے | ہاتھ اسکا جا لگا خرطوم سے
باھر آیا اور کہا نلکا سا ہی | گول ہے مخروط ہے لمبی سی شئے
دیکھنے اندر گیا جب دوسرا | ہاتھ اُس کا جا کے پاؤں پر لگا
بولا وہ کیوں ہے جہاں میں اسکی دھوم | ہے ستوں یہ کاہے کا ہاتھی ہی شوم
دیکھنے اندر گیا جب تیسرا | کان پر ہاتھ اتفاقاً پڑ گیا
وہ لگا کہنے کہ یہ پنکھا سا ہے | چھاج سا ہے نرم ہی چوڑا سا ہی

پشت پر جو ہاتھ چوتھے کا پڑا	یہ کہا اُسنے کہ ہے وہ تخت سا
شمع ہوتی ہاتھ میں اُن کے اگر	اختلاف اُن میں نہ ہوتا بال بھر

فائدہ

ہے جو غالب اہلِ دنیا میں نفاق	اور نہیں رکھتے یہ باہم اتفاق
جہل کی ظلمت کا ہی سارا فساد	ہے لڑاتا سب کو یہ ہی نامراد

حکایت (۸۰)

حضرتِ یوسف کا کوئی دوست تھا	بعد مدّت کے وہ یوسف سے ملا
کر کے آیا تھا سفر ملکوں کا وہ	تجربہ کار اور جہاں دیدہ تھا وہ
بحر و بر کے کل عجائب ایک ایک	کرتا جاتا تھا بیاں وہ مردِ نیک
ہو چکیں باتیں تو یوسف نے کہا	لائے ہو میرے لیئے سوغات کیا
یہ کہا ایسی تو کوئی شئے نہ تھی	تجھ کو ہے پروا بھلا کس چیز کی
قطرہ کیا لاتا میں دریا کی طرف	ذرّہ کیا لاتا میں صحرا کی طرف
چیز وہ جس کا نہیں ثانی یہاں	حُسن ہے تیرا جہاں میں بیگماں
ہر کوئی اس حُسن سے ہی بہرہ ور	پر نہیں اس حُسن کی تجھکو خبر
ایک چیز ایسی میں لایا ہوں عجیب	دیکھ اُس میں اپنا تو حسنِ غریب
اور نکالا پھر بغل سے آئینہ	سامنے یوسف کے اُسکو رکھدیا

گر پڑا دیکھا جو جلوہ حسن کا
پا کے موقع تب زلیخا نے کہا

اب تو میری قدر پہچانے گا تو
عاشقوں کے درد کو جانے گا تو

تو کہا کرتا تھا سودائی مجھے
میں نظر آتی تھی دیوانی تجھے

اب پتا تجھ کو لگا اے بے خبر
حسن کا ہوتا ہے کیا دل پر اثر

حکایت (۸۱)

اک مصور تختہ پر کرتا تھا کام
تھا طلسمات اسکی نقاشی کا کام

چیونٹے کتنے ہی پھرتے تھے وہاں
ایک بولا اُن میں سے دیکھو تو ہاں

کیا قیامت ڈھا رہا ہے یہ قلم
ہے قلم یہ یا کہ ہے مانی رقم

تختہ پر بکھرے ہوئے ہیں چار سو
نرگس اور سوسن گلاب اور نازبو

دوسرا بولا کہ بھیا دیکھ بھی
سب کی سب ہے سحر کاری ہاتھ کی

ہے قلم بے جان پھرتا ہے اُدھر
پھیرتا ہے جس طرف اور جس قدر

تیسرے نے یہ کہا اے بے بصر
آدمی تجھکو نہیں آتا نظر

ہاتھ اِک آلہ ہے فاعل ہے وہی
ہے مصور کی یہ سب جادوگری

چوتھا بولا تو بھی کچھ پہنچا نہیں
عقل تیری بھی نہیں کچھ دُور بیں

کام یہ اے جان مصور کا ہے کب
کام اُسکی عقل کا ہے سب کا سب

پانچواں اُن میں جو تھا سب سے بڑا
ٹیڑھی کر کے آنکھ بھوں کہنے لگا

بھائیو! فاعل ہے اُسکا وہ خدا — جان کو بھی جس نے ہے پیدا کیا
جانِ جاناں یعنی سب جانوں کی جاں — ماں سے بھی ہر جاں پہ بڑھکر مہرباں

فائدہ مسئلہ جبر و قدر

گو یہ کہلاتے ہیں فاعل سب کے سب — ہے حقیقی فاعل اُن میں ایک رب
سب برابر بھی نہیں یہ ہے عیاں — ایک سے ہے ایک بڑھکر بے گماں
مختلف ہے مرتبہ ہر ایک کا — یاد رکھ یاں اِک پھسلنے کی ہے جا
بعض کہتے ہیں بشر مجبور ہے — مُفت مارا جاتا ہے معذور ہے
کیا خطا اِسکی بھلا چاتی ہے کیا — بے گنہ ہے یہ ہے ماموُرِ قضا
بعض کہتے ہیں یہ ہے مختارِ کُل — ہاتھ میں ہے اِسکے اپنا عزّ و ذل
ہیں حقیقت میں غلط دونوں کلام — اِس طرح سمجھے گی تیری عقلِ خام
اللہ[1] اور جاں[2] آدمی[3] ہاتھ[4] اور قلم[5] — پانچوں کو تو نیچے اوپر کر رقم
سب سے جو اوّل ہے اُسپر غور کر — سب سے جو آخر ہے اُس پر کر نظر
قادرِ مطلق ہے دیکھ اِنمیں قدیر — کلک ہے مجبورِ مطلق ناگزیر
جس قدر ہوگا مراتب میں نزول — قدر ہو کم اور کھینچے جبر طول
جس قدر ہوگا مدارج میں صعود — جبر ہو کم قدر ہوتا ہے فزود
منحصر کچھ قدر پر یا جبر پر — یہ نہیں ہے ہر صفت پر کر نظر
ہیں صفاتِ کلک کم ناقص ہیں سب — کُل صفاتِ کاملہ رکھتا ہے رب

۱- مجبوری بالکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ۱۲ ۲- تھوڑا مجبور۔ روحِ انسانی۔ بہت قادر ۱۲ ۳- کچھ مجبور انسان۔ کچھ قادر ۱۲ ۴- بہت سا مجبور۔ ہاتھ۔ تھوڑا سا قادر ۱۲ ۵- مجبورِ مطلق قلم۔ قدرت بالکل نہیں ۱۲

آدمی میں گو کہ ہیں اکثر صفات — پر وہ ناقص ہیں۔ نہایت بے ثبات

ہے جگہ انسان کی جو وسط مین — جبر کے اور قدر کے ہے بین بن

ایک حد تک تو وہ خود مختار ہے — اُسکے آگے پر بہت ناچار ہے

اِسکی میں دیتا ہوں اِک موٹی مثال — غور کر اِس میں نہ کر کچھ قیل و قال

(۸۴) حکایت بر سبیل تمثیل

مرتضےٰ کے پاس اِک طالب گیا — فکر جبر و قدر میں تھا مُبتلا

یہ کہا حضرت کرم فرمایئے — عقل ہے چکر میں کچھ بتلایئے

آپنے فرمایا میرے سامنے۔ — سروقد ہو جاوٴ اِک لحظہ کھڑے

اُس نے کی ارشاد کی تعمیل چُست — آپ بولے بس کھڑے ہو تم درست

پر ذرا تکلیف اتنی کیجئے — تھوڑی سی اِک ٹانگ اونچی کیجئے

ایک پاوٴں پر ہُوا فوراً کھڑا — اور کچھ ارشاد اب؟ کہنے لگا

کہہ رہا تھا یہ نہایت فخر سے — اختیار اور مقدرت سب ہے مجھے

یوں کہا حضرت نے کیا شک ہو مگر — دوسری بھی ٹانگ اب کیجے اُدھر

سُن کے بولا اِس سے میں مجبور ہوں — یہ تو ہو سکتا نہیں معذور ہوں

فکر کر کے غور کچھ جو اُس نے کی — سمجھا فوراً جو غرض تھی آپ کی

ہو کے قائل عرض کی اُسنے شتاب — پالیا اپنی زباں سے خود جواب

گویا یہ انساں ہے بامقدور بھی　اور نہیں اِس سا کوئی مجبور بھی

حکایت (۸۳)

ایک چور اِک باغ کے اندر گیا　آم کا تھا اِک درخت اُس پر چڑھا
جھڑجھڑایا اِس قدر شاخوں کو سخت　ہوگیا آموں سے خالی کُل درخت
اتفاقاً آگیا وہاں باغباں　دیکھکر یہ حال پوچھا کیوں میاں؟
شرم بھی کچھ ہے؟ پرائے مال کو　کررہے ہو اِس طرح برباد جو
مُنہ دکھانا ہے خدا کو یا نہیں　حشر پر اور نشر پر بھی ہے یقیں؟
بولا وہ - یہ باغ ہے مِلکِ خدا　اور میں بندہ خدا کا تجھکو کیا
وہ کھلاتا ہے مجھے ورنہ بھلا　پتہ بھی ہلتا ہے بے حکمِ خدا
وہ کھِلاتا ہے مجھے کھاتا ہوں میں　حکم ہے اُس کا بجا لاتا ہوں میں
جاہلانہ ہے ملامت یہ تری　عقل بھی ہے یا جہالت ہی نِری
دل میں اپنے باغباں کہنے لگا　آپ کی منطق کا ہے رُتبہ بڑا
پر اِسی منطق میں میں دونگا جواب　اور جواب ایسا جو ہوگا باصواب
یہ کہا نیچے تو حضرت آیئے　کچھ کرم ہمپر بھی تو فرمایئے
ہے غنیمت آپ کی صحبت بہت　جاہلوں کی ہوگئی کثرت بہت
بعد مُدّت کے بزرگ ایسا مِلا　جس سے یہ نکتہ سُنا توحید کا

آپ ہی دکھلائیں گے راہِ نجات — آپ ہی سے ہونگی حل سب مشکلات
نیچے جب آیا لیا اُس کو پکڑ — ایک رسّی سے دیا اُسکو جکڑ
پیڑ سے اُس بے خرد کو باندھ کر — ٹُکّے مارے خوب اُسکے جسم پر
لے کے جب لاٹھی لگا وہ مارنے — گڑگڑا کے یہ کہا عیّار نے
مارنے جب اُس کو ڈھیلا کر دیا — آخرش نادان یُوں چلّا اُٹھا
کچھ تو اے ظالم خدا سے شرم کر — بے گنہ کو مارتا ہے اِس قدر
باغباں نے ہنس کے اُس سے یہ کہا — اتنی جلدی کیوں دیا دعوٰی بُھلا
حق نے ہی اِس چوب کو پیدا کیا — مارنے والا بھی ہے دستِ خدا
پشت و پہلو جنبہ پہ پڑتی ہے یہ مار — کسکے ہیں؟ بیشک ہیں مِلک کردگار
آپ پھر کرتے ہیں کیوں ناحق گلا — آپ کہیئے آپ کا نقصاں ہے کیا

حکایت (۸۴)

ایک شخص آیا رسول اللہ کے پاس — عرض کی اے بادشاہِ حق شناس
نفس کے ہاتھوں سے بالکل تنگ ہوں — عار ہوں دنیا کا دیں کا ننگ ہوں
ہوں گنہ میں غرق سر سے پاؤں تک — کوئی ہے عصیاں میں مجھسا منہمک
عیب کرتے ہوگئی آدھی صدی — جزوِ سیرت ہوگئی گویا بدی
دستگیری کیجے ہے وقت کرم — ورنہ کُھل جائے گا میرا سب بھرم

چار مجھ میں عیب ہیں وہ خوفناک
وہ اگر چھوٹیں تو چھوٹیں زیر خاک

ہوں میں زانی اور شرابی اور چور
جھوٹ کا بھی ہے مرے دنیا میں شور

آپ نے فرمایا بس مت بول جھوٹ
پھر خدا چاہے تو سب جائینگی چھوٹ

عزم ہو مضبوط پر اے نیک خو
توڑتا توبہ پھر سے ایسا نہ ہو

عرض کی یوں آپ کے سر کی قسم
اور خدائے پاک و برتر کی قسم

اس زباں کو کاٹ ڈالوں گا جبھی
بھول کر بھی جھوٹ بولی گر کبھی

رات کو اس نے ارادہ جب کیا
وہ پئے پیالہ شرابِ ناب کا

دل میں سوچا گر نبیؐ مستطاب
پوچھ بیٹھے کل تو کیا دونگا جواب

گر کہوں گا یہ کہ پی میں نے شراب
مجھ پہ حد جاری کریں گے وہ شتاب

گر کیا اِنکار تو ہوگا یہ جھوٹ
آج ہی جائے گا میرا عہد ٹوٹ

توبہ کی فوراً باخلاصِ تمام
توڑ ڈالے سب خم و مینا و جام

دوسرے دن جب کیا عادت نے تنگ
تھا زنا کرنے کو وہ بے نام و ننگ

دل میں اُسکے پھر یہی گزرا خیال
اور دیا اُس نے ارادہ اپنا ٹال

تیسرے دن قصد چوری کا کیا
پھر وہی اندیشہ دل میں آگیا

الغرض اُس سے گئے سب عیب چھوٹ
کیونکہ اُسنے ترک کر ڈالا تھا جھوٹ

ایک دن جب حاضرِ خدمت وہ تھا
پائے اقدس پر نبیؐ کے گر پڑا

اور کہا حضرت؟ فقط سچ کے طفیل
جانبِ عصیاں رہا مجھکو نہ میل

حکایت (۸۵)

اِس قدر آقا کو تھا لقماں عزیز
بے دیئے اُسکے نہ چکھتا کوئی چیز

سامنے آتی کوئی کھانے کی شئے
پوچھتا فوراً ۔ کہ یاں لقمان ہے؟

گر نہ ہوتا اُسکو بُلواتا جبھی
اُسکے بے کھائے نہ کھاتا تھا کبھی

یہ کہا کرتا تھا فخراً بارہا
ہوں اُلش خورہ میں اِس لقمان کا

ایک دن اِک خربزہ سوغات میں
کوئی لایا ۔ لیکر اُس کو ہات میں

یہ کہا نوکر سے ۔ لقماں کو بُلا
جب وہ آیا قاش دی اُسکو چکھا

رغبت اُسکے کھانے میں ظاہر جو کی
دل میں آقا کے ہوئی پیدا خوشی

خربزے کو چیر کر قاش ایک ایک
دیتا لقماں کو گیا وہ مرد نیک

جب رہی اِک قاش خود کھایا اُسے
مُنہ سے باہر چکھتے ہی لایا اُسے

اِس قدر تھا تلخ و تند اُس کا مزا
آبلہ اُس کی زبان پر پڑ گیا

یہ کہا لقماں سے اے آقا کی جاں
زہر تو کھاتا رہا اے مہرباں

یہ تجھے کہنا تھا لازم ۔ نیک خو
تلخ ہے اور زہر بس مجکو نہ دو

عرض کی لقماں نے شرم آئی مجھے
قاش کی تلخی سے میں ٹوکوں تجھے

ہاتھ سے تیرے ہزاروں نعمتیں
کھائی ہیں اِس منہ سے اور اِس پیٹ میں

نامناسب تھا کہ میں کہتا تجھے
تلخ ہے یہ قاش تو مجکو نہ دے

حکایت (۸۶)

ایک عورت جنّتی تھی گو۔ ہر برس | پر گئی بچہ کو گودی میں ترس
بچہ جب ہوتا کوئی دو ماہ کا | دفعتًہ ہوتا تلف جیتا نہ تھا
بیس بچے اِس طرح جب مر گئے | گود سے ماں کی خدا کے گھر گئے
ایک دن عورت نے کھینچی ایک آہ | یہ کہا تیری دُہائی اے اِلٰہ
ایسی کیا تقصیر اِس لونڈی نے کی | دس مہینے محنت اور دُو مہ خوشی
آرزو کا نخل جب لاتا ہے بار | دُو مہینے دیکھتی ہوں گل بہار
بیس نے کھلتا ایک بھی دیکھا نہ پھول | غم کی آئے دن مرے لگتی ہے ہُول
اِک بنا دولھا نہ اِک دولھن بنی | اِک بنا دیکھا نہ اِک دیکھی بنی
کہہ رہی تھی اور ٹپ ٹپ آنکھ سے | اشک اُسکے تھے زمیں پر گر پڑے
روتے روتے سو گئی وہ گلبدن | دیکھتی ہے خواب کیا؟ ہے اِک چمن
ہے چمن ایسا شگفتہ پُر بہار | باغ ہیں دنیا کے جسپر سب نثار
باغ سے جنت کی ہے ایسی مثال | شمع جیسے نورِ خالق کی مثال
مثل دونوں کے نہیں یاں کوئی شی | صرف سکھلانے کا تیرے ڈھنگ ہے
اِک محل تھا اُس چمن کے بیچمیں | جسمیں تھیں موجود ساری نعمتیں
چاندی اور سونے کی اینٹیں تھیں لگی | مشک اور کافور سے تھیں وہ چُنی

اُس محل پر نام اُس عورت کا تھا — موٹے حرفوں میں سیاہی سے لکھا
بیچ اُسکے سب کے سب موجود تھے — اُسکی جانب کھِل کھِلا کر ہنس پڑے
دیکھ لے تو۔ اِک فرشتہ نے کہا — اجر تجھکو صبر کا یہ ہے ملا

حکایت (۸۷)

ایک واعظ کا رعمامہ تھا بڑا — وہ نہ عمامہ تھا خاصا بُرج تھا
چیتھڑے رومال میں کمخاب کے — تھے کسی اُستاد درزی نے بھرے
سچ اگر پوچھو نہ تھا دمڑی کا مال — کُل کا کُل لیکن چمکتا تھا کمال
خوشنما ظاہر میں جیسے ہو بہشت — پر منافق کی طرح اندر سے زشت
ظاہری ہوتی ہے جسکی ٹیپ ٹاپ — پیٹ میں اُسکے بھرا ہوتا ہی پاپ
بیٹھکر منبر پہ اور محراب میں — سر کو مٹکاتا تھا شیخ وشاب میں
اِک طلسم کبر تھا پگڑی نہ تھی — تھی رعونت سر بسر اُسمیں بھری
ایک دن جاتا تھا وہ وقتِ سحر — ایک کوچہ سے ہوا اُس کا گزر
اک اُچکا وہاں کھڑا تھا گھات میں — مثل نابینا کے لاٹھی ہات میں
اِک جھپٹا مارکر دستار کو — لے اُڑا۔ اور چل پڑا بازار کو
اِس خوشی سے جا رہا تھا دوڑکر — لگ گئی ہو ہاتھ جیسے کان زر
اُس کو دی آواز واعظ نے عزیز — کھول کر تو دیکھ اِسے کیا ہے یہ چیز

کھول کر تو دیکھ اس کا کیا ہے حال پھر بھی تو رہ جائے تو تجکو ملال
اُس کو کھولا راہ میں عیار نے دھجیاں اور چیتھڑے گرنے لگے
ہاتھ میں آخر کو اُس کے رہ گیا اِک پُرانا پارچہ کمخاب کا
اُسکو دے مارا زمیں پر زور سے اور کہا بھائی تو دھوکا چھوڑ دے
خلق کا ایمان کیوں ٹھگتا ہے تو یہ مبارک تجکو ہو اے زشت خو
ہم تو ہیں بدنام گر یہ حال ہے تُو تو ہم سب کا گرو گھنٹال ہے

حکایت (۴۸)

نقل ہے یہ۔ ابن ادھم خوش یقیں بلخ میں تھے صاحبِ تخت و نگیں
تھے مگر باطن میں وہ صاحب کمال شاہ مُلکِ فقر اہلِ حال و قال
ایک دن بیٹھے تھے چھت پر قصر کی ذکر کرتے کرتے آنکھ اُن کی لگی
دیکھتے ہیں خواب میں وہ ناگہاں پھر رہے ہیں چھت پہ اُنکی ساربان
کوئی کہتا تھا کہ دیکھو اس طرف کوئی کہتا تھا ہوا شاید تلف
کوئی کہتا تھا کہ آؤ تم اِدھر یہ نشانِ پا تو آتے ہیں نظر
بھاگتے پھرتے تھے دھم دھم یوں گنوار دوڑتے میداں میں ہوں جیسے سوار
بادشہ نے اپنے دل میں یوں کہا ہیں محل میں میرے پھرتے جا بجا
کس طرح ان کا ہوا پھریاں گزر ہے عجب یہ ماجرا ے پرخطر

دلکو اپنے الغرض کر کے کڑا — شہ نے پوچھا بھائی یاں کرتے ہو کیا
وہ یہ بولے تھا ہمارا ایک اونٹ — چر رہا تھا وہ ابھی جنگل میں بونٹ
ڈھونڈتے ہیں اُسکو وہ کھویا گیا — ڈھونڈ مارا سارا جنگل جا بجا
یہ کہا شہ نے کہ کیا سوتے ہو تم — محنت اپنی رائگاں کھوتے ہو تم
چاہیئے انسان کو کچھ تو تمیز — اونٹ کا کیا کام چھت پر اے عزیز
ایک نے اِن میں سے جو تھا کچھ ذکی — دست بستہ شاہ سے یوں عرض کی
یہ بجا ہے ہم تو ہیں سب باوے — مُنہ گریباں میں بھی اپنے ڈالیئے
تخت پر بھی ہے کہیں ملتا خدا — ڈھونڈیئے عزلت میں اپنا مدعا
چونک اُٹھے خواب سے۔ سُن کر یہ شاہ — تخت چھوڑا اور لی جنگل کی راہ

فائدہ

ڈھونڈتا ہے گر خدا کو اے رفیق — چھوڑ دنیا کو یہی ہے اِک طریق
ہو یہ خواہش۔ دونو ملجائیں۔ اگر — یہ خیالِ خام دل سے دور کر

حکایت (۸۹)

کہتے ہیں تھا گبر اِک بسطام میں — عارف بسطام کے ایام میں
حضرت بایزید ۱۲
اِک مسلمان سے تھی اُسکی دوستی — کوئی بات اسلام کی جس میں نہ تھی
ایک دن کہنے لگا وہ گبر سے — ڈر تو اے ناداں عذاب قبر سے

کیوں نہیں ایمان سے آتا شتاب ۔ دے گا تو ظالم خدا کو کیا جواب
آگ کو کیوں پوجتا ہے بے خرد ۔ آگ دے گی کیا تجھے اُس دم مدد
جب کہ مشرک سے نہوگا کچھ سوال ۔ حکم ہوگا آگ میں دو اِسکو ڈال
ہو نہ واں بس آگ کو کچھ بھی تمیز ۔ اِسکو سب یکساں ہیں دشمن اور عزیز
معتقد پوجے جو اِسکو سو برس ۔ وہ بھی اِسکے سامنے ہی خار و خس
سب کو کر دیتی ہے آخر کار راکھ ۔ گو کرے اِسکی خوشامد کوئی لاکھ
اُس خدائے پاک پر ایمان لا ۔ آگ کو بھی جس نے ہے پیدا کیا
چھوڑ دے تو شرک کو اے بے تمیز ۔ شرک سی گندی نہیں دنیا میں چیز
وہ یہ بولا مہرباں اسلام کے ۔ دو نمونے ہیں ہمارے سامنے
ایک تو اسلام شیخ بایزید ۔ شوکت اسلام ہے جس سے مزید
تاب و طاقت اِسکی میں رکھتا نہیں ۔ ویسا تو مشکل ہے ایمان و یقیں
ایسے تو اسلام کا میں ہوں غلام ۔ پر نہیں وہ ہر کس و ناکس کا کام
دوسرا اسلام جو ہے آپ کا ۔ ایسے مومن سے تو میں کافر بھلا
دل کو مائل اسطرف پاتا ہوں گر ۔ رُکتا ہوں لب کو ہلاتے سر بسر

فائدہ

دل ہی جب خود مائل اسلام ہے
کیا مسلماں ہونا مشکل کام ہے

حکایت (۹۰)

حضرتِ عیسیٰؑ کہ ہو اُن پر سلام
کر رہے تھے وعظ اک دن وقت شام

لفظ تھا ہر ایک وہ تاثیردار
دل کے جو فی الفور ہو جاتا تھا پار

ایک سفلہ بھی کہیں وہاں تھا کھڑا
وعظ عیسیٰؑ کا سنا۔ کہنے لگا

جھوٹ ہے سب مکر کا یہ جال ہے
حال ذرہ بھر نہیں سب قال ہے

دم طریقت کا عبث بھرتا ہے تو
خلق کو بدراہ کیوں کرتا ہے تو

ہے نسب کا بھی تجھے اپنے پتا
باپ تیرا کون تھا یہ تو بتا

گھر نہیں تیرے نہ زر ہے اور نہ مال
پھرتا رہتا ہے یونہیں تو خستہ حال

کچھ نہ غیرت ہے نہ پاسِ آبرو
بینواؤں کی طرح پھرتا ہے تو

ماں کی خدمت کی تجھے پروا نہیں
گویا بیٹا اُس کا تو صلا نہیں

گاہے کہتا ہے شریعت پر چلو
گور اپنی آگ سے تم مت بھرو

ہیں یہ جب تک قائم افلاک و زمیں
شوشہ اک تورات کا مٹتا نہیں

اور کبھی کہتا ہے یہ اے دوستو
جو تمہارے دلمیں آئے سو کرو

کاہے کا روزہ بھلا کیسی نماز
ایسی باتوں سے خدا ہے بے نیاز

کیا دھرا ہے شرع اور تورات میں
کیوں بھلا پھنستے ہو خود آفات میں

بادشاہت کی کبھی کرتا ہے چاہ
گو کہ ہے قلاش مفلس بے پناہ

کہتا ہے ہوں میں شہنشاہ یہود — ہے غنیمت قوم میں میرا وجود
خوف سے قیصر کے کہتا ہے کبھی — فرض ہے قیصر کی بھی فرمانبری
بادشاہت آسمانی ہے مری — حاکموں کو دو خراج قیصری
لاابالی ہے غرض سارا کلام — ہے نہیں سنجیدگی کا جس میں نام
اور چلن کا بھی نہیں کچھ اعتبار — تو کبھی زاہد کبھی ہے بادہ خوار
کوئی بھی اشراف ہے تیرا رفیق — ایک بھی اُنمیں سے ہے اہل طریق
سب یہ جاہل ہیں انہیں تمییز کیا — تونے دس بارہ پئے اُلّو پھنسا
کوئی مچھوا اور ہے دھوبی کوئی — ہے جُلاہا کوئی اور تیلی کوئی
سُن کے یہ تقریر اُس کی ناصواب — یہ دیا عیسےٰ نے چپکے سے جواب
تجھ پہ ہو رحمت خدا کی اے اخی — جو خبر مجکو مرے عیبوں کی دی
گالیاں دیتا تھا وہ اور یہ دعا — اِس طرح جب ایک گھنٹہ ہو گیا
تھک کے آخر چلدیا وہ بے ادب — ایک حواری نے کہا عیسےٰ سے تب
اُسکی جانب سے یہ سختی اور جفا — تیری جانب سے یہ نرمی اور دعا
چاہیئے تُرکی کا تُرکی میں جواب — چڑھتے ہیں سر یُوں ہی یہ خانہ خراب
تب کہا عیسےٰؑ نے میں ناچار ہوں — مجھ کو سب معلوم ہے پر کیا کروں
نیک سے نیکی ہو اور بد سے بدی — ظرف میں جو ہوگا ٹپکے گا وہی
مجھ میں ہے خالق نے سب رحمت بھری — ابرِ رحمت مجکو کہتے ہیں سبھی

ابر رحمت کے مقابل میں بھلا	آتش غیظ و غضب کا کام کیا

حکایت (۹۱)

ایک رات آرام میں تھے مصطفیٰ	حکم یہ جبریل کو فوراً ہوا
نیند سے بندہ مرا مجبور ہے	خواب غفلت میں پڑا مخمور ہے
جا کے سہلا اس کے تلوے بیٹھکر	کان میں پھر یہ ادب سے عرض کر
اے محمد خواب شیریں میں نہ کھو	وقت اپنا قیمتی۔ بیدار ہو
تجھکو کیا نسبت بھلا اِس خواب سے	کر ادا اُٹھ کر نماز آداب سے
بندہ کو زیبا ہے سرافگندگی	بندہ کو شایاں ہے بالکل بندگی
تو گیا ہے زہد و طاعت کے لیئے	کب تجھے بھیجا ہے راحت کے لیئے
رکھ زمیں پر عجز سے اپنی جبیں	بھاگے جو طاعت سے وہ بندہ نہیں
تاکہ اُمت کا تو ہو پشت و پناہ	اُنکی بخشش مانگ بازاری و آہ
ہم اگر لے بیٹھے اُمت کا حساب	ہوگا ہر اِک مستحقِ صد عذاب
آویں اک لحظہ اگر انصاف پر	دوں تری امت سے کل دوزخ کو بھر
آیۂ رحمت ہے تو میرے حبیب	شافع امت ہے تو میرے حبیب
رحمتِ عالم ہے تو پیارے رسولؐ	عجز سے کر تو دعا۔ ہوگی قبول
اے محمدؐ ہم نہیں کرتے پسند	یہ کہ پہنچے تیری اُمت کو گزند

آستراحت کی نہ جانب میل کر	پھر اُمت کر دعا اب تا سحر
بخشوانا اِس کا ہے گر مُدعا	آپ اُمت کے لیئے زحمت اُٹھا
جب سُنے الفاظ اُمت اور عذاب	اور اُس کے ساتھ ہی لفظِ حساب
ہوگیا مُنہ مصطفٰے کا ڈر سے زرد	دل سے نکلی آپکے اِک آہ سرد
غار کی جانب ہوئے فوراً رواں	گر پڑے سجدے میں اور زاری کناں
عرض کی اے میرے ستارُ غفور	در پہ ا حاضر ہوا ہے پُر قصور
در پہ حاضر ہے ترے لئے ذوالجلال	بندۂ افسردہ دل آشفتہ حال
در پہ حاضر ہے غلام اے کردگار	با دلِ پر درد و چشمِ اشک بار
در پہ حاضر ہے ترے در کا گدا	در پہ حاضر ہے یہ بندہ باوفا
در پہ حاضر ہے یہ تیرا مصطفٰے	در پہ حاضر ہے یہ غم کا مبتلا
جب تلک تو میری اُمت کے گنہ	اپنی رحمت سے نہ بخشیگا الٰہ
یہ ترا بندہ ترا پیارا نبیؐ	سر اُٹھائے گا نہ سجدہ سے کبھی

مناجات مصنّف بدرگاہِ باریتعالٰی

اے خدا اے خالقِ ہر دو جہاں	اے خدا پشت و پناہ بیکساں
ہے تری محتاج مخلوقات کُل	ہاتھ میں تیرے ہی سب کا عزّ و ذُل
جس کو بخشا تو نے عزت کا لقب	خوار اُسکو کوئی کر سکتا ہے کب

ہے سراسر مہربانی یہ تری ۔ اِس قدر عزت مجھے دنیا میں دی
آگے بھی تیرے کرم سے ہی اُمید ۔ عاقبت میں بھی رکھیگا رو سپید
نفسِ امّارہ کی تھی یہ سب خطا ۔ جہل سے بھٹکا پھرا میں جا بجا
در کو تیرے چھوڑ کر در در پھرا ۔ پر بہت حیران اور ششدر پھرا
کھینچکر لایا ہے پھر تیرا کرم ۔ اور کس کے آستاں پر جائیں ہم
میں رہا قاصر عبادت میں مدام ۔ ہو سکا مجھ سے نہ کوئی نیک کام
عذر تقصیرات نا معقول ہیں ۔ عذر نا معقول کب مقبول ہیں
اور تو مجھ سے نہیں کچھ بن سکا ۔ تحفہ لایا ہوں مگر اِک عجز کا
کہہ گیا ہے ہم سے یہ تیرا رسولؐ ۔ عجز کا تحفہ ہے تیرے یاں قبول
ہے مجھے امید اے ربِّ قدیر ۔ رد نہ ہو گا تحفہ یہ گو ہے حقیر
اپنے عارفؔ کو تو اے پروردگار ۔ حشر کے میداں میں مت کر شرمسار
عدل کے میزاں میں از روئے عطا ۔ پلّہ دے اعمال کا اُس کے جھکا
تاکہ دیکھیں جنکو ہے طاقت پہ ناز ۔ ہیں مؤثر کس قدر عجز و نیاز

قصیدہ موسومہ بہ ذرّہ غفلت از جناب مصنف سلّمہ اللہ تعالیٰ

میاں تمکو خبر بھی ہے کہ کیا ہے رنگ دُنیا کا ۔ بدلتا جاتا ہی لحظہ بلحظہ ڈھنگ دُنیا کا
ہر اک شے کو تحرک ہی تم ہی کچھ بن گئے پتھر ۔ دکھا دینگے تمھیں چلتا ہوا ہر سنگ دُنیا کا

نہیں مجبور کچھ ایسے بجاؤ جس طرح چاہو
تمہارے ہاتھ میں جبتک کہ ہے مرچنگ دنیا کا

فرشتہ سے نہیں کچھ کم حقیقت میں تری نسبت
پہنچ جا عرش اعلیٰ تک نہ کر آہنگ دنیا کا

نہ گھبرا گر تجھے سچ سے ہوئی تکلیف دنیا میں
چلا آتا ہے سچ کے ساتھ کین جنگ دنیا کا

صفائی سے چمکتا رکھ ہمیشہ آئینہ دل کا
بنا دیگا تو اُس کو بُرا ہے زنگ دنیا کا

بڑا اچھالاک و سرکش ہے نہیں جمتا کوئی اس پر
کہ چڑھتے ہی پٹک دیتا ہے یہ شبرنگ دنیا کا

نہ کھو زر کے لیئے عزت کہ تیری آبرو آگے
کسی گنتی میں بھی ہرگز نہیں پاسنگ دنیا کا

کمر ہمت کی کَس کر ہو پیادہ راہ حق پر چل
قدم دس بھی نہ لیجائے گا اسپ لنگ دنیا کا

نہیں انسان کو چارہ ہے مشعل سے شریعت کی
کہ رستہ ہے بڑا تاریک و کج اور تنگ دنیا کا

کما بازو سے اپنے رزق اپنا شیر کی مانند
بہت ذلت سے جیتا ہے سگ بے ننگ دنیا کا

مکر شکوہ دو رنگی کا کبھی دنیا کے یاروں سے
کہ ہے ضرب المثل مدت سے شام اورزنگ دنیا کا

وفا کا لفظ چھوٹا سا نہ پایا آجتک اُسمیں
ٹٹولا خوب ہم نے غور سے فرہنگ دنیا کا

مٹا دیتی ہے اک پلمیں یہ کیسی کیسی تصویریں
جگر ہے سخت لوہا اور دل ہے سنگ دنیا کا

نہیں ہے نیک و بد سے کچھ غرض یا خام و پختہ سے
بلا نوشی میں ہے مشہور یہ سرہنگ دنیا کا

اکڑ فوں سب نکل جائیگی اک دن ایسا آئیگا
یہ کیوں بانکا بنا پھرتا ہے یوں سرہنگ دنیا کا

نہیں ہے ایک حالت پہ کبھی تیز اور کبھی دھیما
رہیگا حشر تک بجتا یوں ہی مردنگ دنیا کا

تو کیوں بھولا ہے عارف چند روزہ زندگانی پر
بھلا کس کام آئیگا یہ نام و ننگ دنیا کا

سفر در پیش ہے لمبا تو فکر زاد رہ بھی کر
نہیں رہ جائیگا سب کچھ یہ راگ او رنگ دنیا کا

قطعات تاریخ تصنیف کتاب از مصنف سلمہ اللہ تعالےٰ

نیست در گوشِ دلِ اہلِ نظر
ہیچ زیور بہ ازیں عقدِ دُرر

سال تاریخش بجستم چوں زغیب
گفت ہاتف اے خوشا عقدِ گہر
۱۳۱۷

ایضاً

ختم کرکے مثنوی دل نے کہا
جی مرا اب کام سے بیزار ہے

تھی یہ خاطر آپ کی منظور سب
ورنہ میرا شاعری کب کار ہے

لو میں جاتا ہوں اجازت ہو مجھے
سر پہ میرے نیند کا بھی بار ہے

یہ کہا میں نے نہیں۔ ٹھیرو ذرا
مجھ کو اک تاریخ بھی درکار ہے

ہو کے بیدل یہ کہا بس دو تی فکر
بے مثل یہ موتیوں کا ہار ہے
۴۴ ۱۳۱۷ ۵۱ ۱۳

قطعہ تاریخ طبع کتاب از میر کرامت اللہ صاحب خلف رشید میر اسد اللہ صاحب مرحوم آنریری مجسٹریٹ و رئیس شہر امرتسر

تعالی اللہ دماغ خود بہفتم آسمان بینم
صریر خامہ ہم آواز نائے قدسیان بینم

زتصنیفِ نیف نخلبند گلشن دانش
خیابانے نہ بلکہ بوستانِ بیخزان بینم

حروفش چہرہ آرائے گلستانِ جہاں باشد
سطورش رونمائے سنبلستانِ جنان بینم

مضامینش غزالانِ ختن پُر نافۂ مشکیں
کہ از ہر نقطہ اش صد نکتہ معنی عیان بینم

بہار از چہرہ آرائش میسنازد بہ بخت خود — بہشت از جلوہ پیرائش فردوس آشیاں بینم

کلامِ چوں کلام اللہ عدیلِ خود نمیدارد — کہ مُہر خطِ نسخش بر کلام این و آن بینم

جمالِ عشوہ لیلےٰ کمالِ غمزہ سلمےٰ — ز لفظ و معنی ایں شاہد عذرا نشاں بینم

مجلے و محلا از جواہر ہائے بوقلموں — چہ گنجے گنج کیخسرو بہ پیشش رایگاں بینم

مراں نورے کہ موسیٰ دید اندر وادی ایمن — بزیر دامنِ طورِ معانی اش نہاں بینم

متاعِ حسنِ یوسف را بہ مس پیرزنے گیرد — ز نقدِ گوہر جاں مشتری اش صداں بینم

کتابے مستطابے لاجوابے چشمہ فیضے — کہ پیشش آبِ آبِ روضہ رضواں رواں بینم

حکایاتیکہ اصف کرد مولانائے روم از نے — وگر از کلکِ گوہر سلک فخر دوداں بینم

ہُماں نظمے کہ جامی کرد نامش ہپلوی مصحف — من از سیشن جج لاہور رہ ہندی زباں بینم

سلیس و عام فہم و مختصر پُر مغز با مطلب — بہ اُردوئے معلےٰ از لب معجز بیاں بینم

بحسنِ اہتمامِ سید ممتاز دورانے — حکایاتِ ادب از مختصر یونانیاں بینم

چو طغرا نویسِ چرخ از فرطِ طرب گفتہ — کہ من از نظمِ دل افروز سالِ بیگماں بینم

ولہ

اندریں دوراں سعادت توأماں — نسخۂ دلخواہ یکسر چاپ شد

سالِ طبعش بے سرِ چد گفت تیر — مثنویِ عقد گوہر چاپ شد

قطعات تاریخ از تصنیف مولوی محمد اقبال صاحب ایم اے

مرحبا اے ترجمانِ مثنوی معنوی — ہست ہر شعرِ تو منظورِ نگاہِ انتخاب
از پئے نظارۂ گلدستۂ اشعارِ تو — حسنِ گویائی ز روئے خویش برد از نقاب
بہرِ سالِ طبع قرآنِ زبانِ پہلوی — بلبلِ دل می سراید تلک ایٰت الکتاب

وله

میرے مخدوم و مکرم نے لکھی ایسی کتاب — شاہدِ لیلائے عرفاں کا جسے محمل کہیں
ہے مصنف نخل بندِ گلشنِ معنی مگر — مزرعِ کشتِ تمنا کا اسے حاصل کہیں
از پئے تاریخ ہاتف نے کہا اقبال کو — زیب دیتا ہے اگر مرغوبِ اہلِ دل کہیں

وله

کتابِ مولوی معنوی را — شفیقے ما چو در اردو رقم کرد
زباں را نقش از تیرِ غفلت — مصوں چوں طائرِ بامِ حرم کرد
سروشِ دل رقم زد بہرِ تاریخ — خیابانِ زرستانِ عجم کرد

وله

بزمِ سخن میں اہلِ بصیرت کا شور ہے — یہ نظم ہے کہ چشمِ فصاحت کا نور ہے
میں نے کہا یہ دل سے کہ اے مایۂ ہنر — تاریخ سالِ طبع کا لکھنا ضرور ہے
ہاتف نے دی صدا سرِ اعدا کو کاٹ کر — حقا یہ نظم موجِ شرابِ طہور ہے

وله

غیرتِ نظمِ ثریا ہے یہ نظمِ دلکش — خوبیٔ قول ہی نظم کی شیدائی ہے ۱۹۰۱
فکرِ تاریخ میں ہیں سر بگریباں جو ہوا — کہہ دیا دل نے یہ خضرِ رہِ دانائی ہے

وله

روحِ فردوس میں رومی کی دعا دیتی ہے — آپ نے خوب کیا خوب کہا خوب لکھا ۱۹۰۰
دردمندانِ محبت نے اسے پڑھ کے کہا — نقشِ تسخیر پئے طالبِ مطلوب لکھا
ہاتفِ غیب کی امداد سے ہم نے اقبال — بہرِ تاریخ اشاعت سخن خوب لکھا ۱۳۱۸

قطعۂ تاریخ از نتیجۂ طبع منشی محرم علی صاحب چشتی اڈیٹر اخبار رفیق ہند لاہور

مثنوی مولوی رُوم کے
بادۂ توحید ہے دو آتشہ
شعر معنی و بیاں کا در کھلا
پہادی نے دیکھے پہلو میں جگہ
طبع کی تاریخ چشتی نے کہی

پیر جی صاحب ہوئے ہیں ترجماں
مست کیفِ مے نہ ہو کیوں اک جہاں
مقصدِ سرّ و علن ہونگے عیاں
خوب اُردو کی بڑھائی عزو شاں
معرفت کے راز ہیں اسمیں بیاں ۱۳۱۷ھ

قطعۂ تاریخ از تصنیف منشی ارشاد نبی صاحب قریشی میرٹھی وکیل ریاست بہاولپور متعینہ فیروزپور

یہ مثنوی ہے یا یہ تزکیہ کا عمل ہے
ہاتف نے یہ صدا دی سب فکر بے محل ہے
چوں بار دو نظمِ دلکش گفته شد
از پئے تاریخ او ارشاد گفت

ایمان کی یہ جاں ہے اور کفر کی اجل ہے
ارشاد جلد کہہ دے باغِ ارم کا پھل ہے ۱۳۱۷ھ
زنگ از آیینۂ دل رفتہ شد
مژدہ باد اے عقد گوہر سفتہ شد ۱۳۱۸ھ

کتبہ محمد الدین غفرلہٗ

